منظور شدہ محکمہ تعلیم سرکلر نمبر ۲۵۲۳۲/ پی-یو-بی-ایل- (صفحہ [illegible])

اس شمارے میں

نقش آغاز

لہ دعوۃ الحق

قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

الحق

اکوڑہ خٹک

جلد نمبر ۱ — شمارہ نمبر ۱۱

ربیع الثانی ۱۳۸۶ھ

اگست ۱۹۶۶ء

[illegible]

غیر ممالک سالانہ ۱۲ شلنگ

کتابت: اصغر حسن

[illegible] سمیع الحق (استاد دارالعلوم حقانیہ) طابع و ناشر نے اسلامیہ پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ربیع الاوّل کا مہینہ گذر چکا ـــــ وہ مبارک ماہ جس میں فخرِ کائنات رحمۃ عالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر خداوندِ عالمین نے اس عالمِ ہست و بود پر اپنی رحمتوں اور نعمتوں کی تکمیل فرمائی ۔ وہ ذات قدسی صفات جن کے ذریعہ دنیا سے نہ صرف شرک و جہل کا قلع قمع ہوا ۔ بلکہ ظاہر پرستی کی تمام انواع ، رسماتِ باطلہ ، لہو و لعب ، اور بدعات و خرافات کی تمام اقسام کی بیخ کنی بھی کی گئی ۔ اس رسولِ برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حق ہے کہ اس کے نام لیواؤں کی زندگی کا ہر لمحہ اسکی عظمت و احترام سے معمور اور دل کی ہر دھڑکن اسکی توقیر و تکریم کی ترجمان ہو کہ امتِ مرحومہ کی نجات اور فلاح تو صرف اُسی کی اتباع پر موقوف ہے ۔ اس لحاظ سے ایک مسلمان کی حیاتِ مستعار کا ہر لمحہ اس کیلئے عید میلاد اور تذکارِ رسول ہے نہ کہ سال بھر کے چند ایام کی دو چار مجلسیں اور محفلیں ـــــ مگر صد حیف و افسوس کہ آج محمدِ عربی کے عشق و محبت کے دعویدار عید میلاد النبی پر یہ وقتی اور عملی ذکر و تذکار بھی کسطرح منا رہے ہیں ؟ اسکی کچھ جھلکیاں سیرتِ مقدسہ کے نام پر جلسوں ، جلوسوں کی روئیدادوں میں قوم کے سامنے آ چکی ہیں ، بازاروں میں شور و غل ، قمقموں اور گانوں کی بھرمار ، رسوم و رواج کی یلغار ، اور فسق و فجور کا طوفان ، مردوں اور عورتوں کی ہڑبونگ ، غرض دلوں کی دنیا سیاہ اور تاریک عظمت و تقدیس کا شائبہ تک معدوم ، مگر گلیاں اور کوچے قمقموں اور جھنڈیوں سے آراستہ ـــــ ہائے ملتِ محمدیہ کی حرماں نصیبی کہ محمد عربی علیہ السلام (فداہ الثقلین) کے نام پر ڈسٹ تاریخ اور مردوں کا عورتوں پر یلغار ، نہ فکرِ ننگ و ناموس ، نہ احساسِ صوم و صلوٰۃ گویا رسول الثقلین کی یاد نہ ہوئی بلکہ یہود و نصاریٰ کا کرسمس اور عہدِ جاہلیت کا جشنِ نوروز کہ پوری قوم اس مبارک دن اپنے آپ کو اخلاق و شرافت ، وقار و تمکنت ، سنت و شریعت کی تمام بندشوں سے آزاد سمجھنے لگی ۔ اپنے محسنین کی یاد کا یہ انداز تو مادر پدر آزاد فرنگ کا ہے ، مسلمانوں کا نہیں ۔

محسنِ کائنات کے عشق و محبت کے دعویدار کچھ تو ہوش کے ناخن لو ۔ سندانِ عشق کے ساتھ جامِ شریعت تھامنا بھی ضروری ہے ۔ وہ عشق و محبت تو نری ہوسناکی ہے جو محبت ، اطاعت اور عظمت سے خالی ہو ۔ وہ سراسر بے تمیزی اور نفس پرستی ہے ۔ تمہاری زبانوں پر تو محبوب کا ورد ہے مگر عملاً تمام طور طریقے محبوب کے دشمنوں کے اختیار کر رکھے ہیں ۔ اسکی لائی ہوئی تعلیمات اور ہدایات کا ایک ایک حصہ ادھیڑ اور اس کی سنتوں کی بنیادیں ڈھا رہے ہو اور پھر یہ سب کچھ اسکی یاد منانے کے نام پر ،

اس عہدِ شقاوت میں کیا سیرت نام صرف غل غپاڑے ، رقص و سرود اور بازاروں کے ہڑبونگ کا رہ گیا ہے ؟ تم میں سے کتنے تھے جنہوں نے سات سات گھنٹے اس کے نام پر جلوس میں تو گذار دیے مگر کیا اوّلین رکنِ اسلام "نماز" کا خیال تک بھی ہوا ؟ جب کہ عالمِ نزع میں تمہارے آقاؐ کی ڈوبتی ہوئی روح سے بھی الصلوٰة الصلوٰة کی صدائیں آ رہی تھیں۔ تعلیم تو تمہارے آقاؐ کی یہ تھی کہ راہ چلتے نگاہیں نیچی رکھو، اکڑ کر نہ چلو، اس نے فرمایا کہ نامحرموں کی طرف نگاہ اٹھانا بھی ضیاعِ دین و ایمان ہے۔ اس نے چاہا کہ تم ایک باوقار اور سنجیدہ امت بن جاؤ۔ انہوں نے فرمایا کہ خواہ نماز جماعت تم سے فوت بھی ہو جائے مگر اس کے لئے اچھل کود کر دوڑنا نہیں۔ فرمایا کہ کسی حال بھی وقار و سکینت کے رشتے تمہارے ہاتھ سے نہ چھوٹنے جائیں۔ پھر اس کی عظمت و تقدیس کا تو یہ عالم تھا کہ سیدنا فاروقِ اعظمؓ جیسے صحابہ کی آوازیں اس کی مجلس میں پست ہو جاتیں کہ اس اللہ نے اس کی آواز پر اپنی آوازیں اونچی کرنے والوں کو بھی حبطِ اعمال (اعمال کی بربادی) کی وعید سنائی تھی تو کیا تمہارا یہ دھوم دھڑکا اور یہ چیخ و پکار تمہارے حبطِ اعمال کا موجب نہ بنے گا۔؟

تمہارے رسولِ اعظمؐ نے تو ہر لمحہ تمہیں بدعت سے روکا کہ بدعت بظاہر کتنی بھی دلکش و دلآویز ہو مگر بالآخر یہ لعنت ملت کے لئے زہرِ قاتل ثابت ہو کر رہتی ہے۔ اور یہ بدعت کی ہلاکت آفرینی ہی تو تھی جس کی تان بالآخر ٹوسٹ ناچ پر ٹوٹی اور بدعت ہی ہو گی جو تم سے سیرتِ رسول کے نام پر آئندہ مسجدوں میں بھی چاچا چا ناچ اور راک این رول کروا کر رہے گی۔ اب تم نے روضۂ اطہر کی شبیہ بنا کر اس کے ساتھ حقیقی مزارِ مبارک کا معاملہ شروع کر دیا ہے۔ اور آئندہ چل کر تم بیت اللہ کی تمثال کا طواف و زیارت بھی کر بیٹھو گے۔ متاعِ دین و خرد ایسی غارت ہوئی کہ بدعت کی یہ تباہ کاریاں امت کی اکثریت کی نظروں سے اوجھل ہیں اور شیطان نے ہمارے اعمال کو سجا سجا کر ہمارے سامنے رکھ دیا ہے ـــــ وہ بھی کیا وقت تھا کہ حضرت حسن بصریؒ نے ایک بار کوئی بدعت دیکھی تو شدتِ غم کی وجہ سے کئی دن تک انہیں پیشاب کی بجائے خون آتا رہا۔ ہمارے اکابر اور محققینِ امت کی یہی دور اندیشی اور فراستِ ایمانی تھی کہ انہوں نے میلاد النبی کے نام پر اس سوداگری کی سختی سے مخالفت کی مگر انہیں "دشمنِ رسول" اور کن کن القاب سے نوازا گیا۔ مگر آج تم خود سر پکڑ کر بیٹھ گئے ہو کہ اس کا کیا علاج و تدارک ہو؟ خدا کرے پچھلے ماہ کے یہ تلخ واقعات ہمارے دل و دماغ کیلئے تازیانۂ عبرت بن جائیں۔ اور اگر دلوں میں ایمان کی کوئی چنگاری باقی ہو تو پھر سلگ اٹھے اور ہمارے اعمال و افعال رسول کی سچی محبت، اطاعت و اتباع کے نور سے جگمگا اٹھیں۔ ورنہ یاد رکھو ! بازاروں کے اس ہڑبونگ، چمٹوں اور باجوں کی اس جھنکار کانوں اور نعروں کے ان ہنگاموں سے رسولِ مقبول کی روحِ مبارک خوش تو کیا ہوگی بلکہ بار بار اہلیں

تمہاری ان مذموم حرکات سے جو روحانی اذیت پہنچ رہی ہے، اس کے وبال سے یہ بالآخر ساری کائنات اجڑ جائے گی اور عرش و فرش بھی لرز اٹھے گا۔ کیا ان حالات میں ملتِ محمدی کے سنبھلنے کا کوئی امکان ہے؟ کیا ہمارے دلوں کے قفل کبھی ٹوٹ بھی جائیں گے۔؟ وہ اجنبی جو دلوں کے اندھے ہیں لیکن سائنس و حکمت کے زور سے لوگوں کی گئی ہوئی بینائی واپس لوٹا رہے ہیں، مگر ہماری کوتاہ بینی کا یہ عالم ہے کہ دلوں کی تاریکی کے ساتھ ہماری آنکھیں بھی اندھی ہو رہی ہیں۔ اور عشقِ رسول کے نام پہ کھلی ہوئی تضحیک اور گستاخیاں ہمیں عظمت و احترام کے مظاہرے دکھائی دیتے ہیں۔ فانھا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور۔ نعوذ باللہ من الحور بعد الکور۔ اللھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ۔

آپ نے اس خبر کو پڑھ کر کچھ سوچا بھی؟ کہ ضلع سلہٹ میں ایک شادی شدہ خاتون کے ہاں ۴ جڑواں بچے پیدا ہوئے۔۔۔ ضبطِ ولادت کے اس دور میں جبکہ اس کی کامیابی پر ۳۰ کروڑ روپیہ خرچ کئے جا رہے ہیں۔ قدرت کی طرف سے یہ واقعہ ایک طمانچہ ہے ان لوگوں کے منہ پر جو خلق و معاش کی کنجیاں اس کائنات کے خالق سے چھین کر اس پر اپنا قبضہ جمانا چاہتے ہیں۔ خدا کے لئے اس واقعہ سے سبق لو۔ کیا تمہیں اس وقت ہوش آئے گا کہ پہاڑوں، ٹیلوں، اور غاروں سے غول کے غول بچے برآمد ہونے لگیں۔ یا آسمان سے بچوں کی ایسی بارش ہو کہ تم ان کا گلا گھونٹ کر بھی ختم نہ کر سکو۔ یقین رکھو کہ جس ذات کے ہاں پیدائشی قوتوں کی اتنی فراوانی ہے، وہ اپنی مخلوق کے ارزاق کا بھی کفیل ہے۔ کیا وہ عالم خاکی کے تمام جانداروں کو تم سے زیادہ اور اچھا رزق نہیں دیتا؟ پھر کیا تم نے کبھی ان چرندوں اور پرندوں کے ہاں بھی خاندانی منصوبہ بندی نام کی کوئی "بلا" دیکھی ہے۔ کیا تم نے حضرت سلیمان کا وہ واقعہ نہیں پڑھا کہ انہوں نے ایک بار تمام مخلوق کو ایک وقت کھانا کھلانے کی دعوت دینی چاہی اور بہ ہزار منّت و سماجت خداوند کریم کو راضی کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں سبق دینے کیلئے یہ دعوتِ سلیمانی منظور فرمائی۔ پھر وقت مقررہ سے کافی عرصہ قبل حضرت سلیمانؑ کی نہ صرف تمام فوج بلکہ مسخر شدہ جنات بھی اشیائے خوردنی کی فراہمی میں لگ گئے۔ میلوں تک دستر خوان سجایا گیا۔ حضرت سلیمانؑ کی طرف سے صلائے عام ہوئی۔ ابتدا بحری مخلوق کی ایک ناتواں مچھلی سے ہوئی۔ اور مچھلی مہینوں کی مہیا کی ہوئی یہ ساری خوراک چند لقموں میں ہڑپ کر گئی اور دستر خوان صاف کرتے ہوئے دوسرے سرے نکل گئی۔ پھر بھی ھل من مزید پکارنے لگی کہ سلیمان علیہ السلام مجھے کچھ کھلائیے۔ بھوک کے مارے میرا حال برا ہو رہا ہے۔۔ ادھر

حضرت سلیمان علیہ السلام حیران و ششدر کہ سب کچھ تو ختم کر گئی۔ اب اور مخلوق کو کیا کھلاؤں گا۔ سلیمان علیہ السلام نے مچھلی کو کہا کہ تو نے سب کچھ کھا لیا۔ اب اور کیا مانگ رہی ہے۔ مچھلی نے جواب میں کہا! اے سلیمانؑ! میرا رب مجھے ہر روز دن میں کئی بار اتنا کچھ کھلاتا ہے۔ آج تم نے میرا وظیفہ خزانۂ غیب سے بھی بند کر لیا اور مجھے سیر بھی نہ کر سکے۔ حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام یہ سن کر سجدہ میں گر پڑے۔ آنسوؤں کی جھڑیاں لگ گئیں۔ اور اللہ کی عظمت کا ترانہ زبان پر جاری ہوا۔ کہ پاک ہے وہ ذات جو اپنے مخلوق کو غیب کے خزانوں سے رزق پہنچاتا ہے: سبحان الشکفی بارزاق الخلائق من حیث لا یعلمون۔

پچھلے مہینے سرگودھا کے مشہور عالم دین حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ علم کے اس معدن اور رجال حق کی اس قحط سالی میں علم اور دین کی دنیا میں اس نقصان کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ کجا کہ ایسے جامع صفات حامل شریعت واقف طریقت عالم اور حق گو نڈر مجاہد کی موت۔ حضرت مرحوم نے ساری زندگی دین کی اشاعت میں صرف کی۔ اور اس بڑھاپے میں بھی دیگر دینی مشاغل کے علاوہ جمیعۃ العلماء اسلام کی اہم ذمہ داریوں کو سنبھالا۔ مرحوم کی جدائی مسلمانان سرگودھا اور جمیعۃ العلماء اسلام کیلئے خصوصاً اور عام مسلمانوں کے لئے عموماً ناقابل برداشت صدمہ ہے — خداوند تعالیٰ مرحوم کو درجات عالیہ سے نوازے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ اور امت مرحومہ کے اس نقصان کی تلافی ہو — واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق

حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کی صحت

حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کو کافی عرصہ سے ذیابیطس کی شکایت تھی پچھلے چند دنوں سے مرض میں اضافہ ہوا اور اس کا اثر بینائی پر بھی قدرے پڑا۔ چنانچہ ڈاکٹروں کے مشورہ پر انہیں بغرض آرام اور علاج لیڈی ریڈنگ ہسپتال پشاور میں داخل کرایا گیا۔ تادم تحریر ۲۹ جولائی بمطابق ۹ ربیع الثانی تک آپ ہسپتال میں مقیم ہیں۔ بحمد اللہ اب مرض ذیابیطس میں کافی حد تک کمی آگئی ہے۔ اور حضرت رو بصحت ہیں، کوئی تشویش کی بات نہیں۔ تمام احباب اور متعلقین سے دعاؤں کی درخواست ہے۔

یاایھا الذین امنوا امنوا

لمحۂ فکریہ

عبدالرزاق سنگین

یہ امت روایات میں کھو گئی
حقیقت خرافات میں کھو گئی

عالم انسانیت پر ذاتِ قدسی صفات صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات سے کسے مجالِ انکار ہو سکتا ہے۔ بلاشبہ دنیا کا ہر گوشہ ہر ملک، ہر قوم اور نوعِ انسانی کے مختلف طبقات محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرہونِ منت ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے صنفِ نازک کے حقوق کو کس بیدردی سے پامال کیا جاتا تھا۔ دختر کشی کے باعث سینکڑوں غنچے بن کھلے مرجھا جاتے تھے جس ملک میں گھوڑوں، کتوں، طوطوں وغیرہ جانوروں سے پیار کیا جاتا تھا، وہاں انسانوں کا ایک مظلوم طبقہ یعنی غلام حیوانات سے بدتر زندگی گذار رہے تھے، حضور ہی نے ذروں کو اٹھا کر ماہِ تاباں بنایا اور کانٹوں پر قدم رکھا تو کانٹے گلستان ہو گئے، آج اگر یورپ عورتوں کے لئے نام نہاد حقوق کا ڈھنڈورہ پیٹ رہا ہے۔ یا غلامی کے انسداد کیلئے آواز اٹھا رہا ہے، تو اس محسنِ اعظم نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کو خراجِ تحسین کیوں ادا نہیں کرتا جس نے سب سے پہلے عورتوں کو مردوں کی غلامی سے چھڑایا، غلاموں کو بادشاہ بنایا، اسود و احمر کی تفریق ختم کی، نسل اور خون کے امتیازات ختم کرائے حتیٰ کہ ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز   نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

ممکن ہے یورپ اور امریکہ آزادیٔ نسواں اور انسدادِ غلامی کا سہرا سب سے پہلے اپنے سر باندھنے کے باعث رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات سے چشم پوشی کرتے ہوں، لیکن ہمارا روئے سخن ان امی کروڑ انسانوں کے جمِ غفیر سے ہے، جن میں کالے بھی ہیں اور گورے بھی، آزاد بھی اور نیم غلامی کی زندگی گذارنے والے بھی، حاکم بھی ہیں، اور محکوم بھی، کافر بھی اور کافر گر بھی، عالم بھی اور مرید بھی جو اپنے تئیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیوا سمجھتے ہیں۔ خدائے واحد کی پرستش کا دعویٰ کر رہے ہیں، اسلام کا کلمہ پڑھ رہے ہیں۔ کیا انہوں نے کبھی اس امر پر سوچا بھی ہے، کہ نبی کریم کے احسانات تسلیم کرنے کا صحیح انداز کیا ہے۔ اور کیا ہونا چاہئے؟ اس خیال نے کبھی ہمارے گوشۂ دماغ میں جگہ پائی کہ حضور کی احسان شناسی کا احسن طریق کیا ہو سکتا ہے۔ کیا ہم نے کبھی اپنے آپ کو اسلام کے قالب میں ڈھالا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کی امر بالمعروف پر عمل پیرا ہے، نہی عن المنکر کی راہ میں مشکلات

سے دوچار ہوئے، حق ہمسائگی کیسے ادا کیا، بال بچوں اور خویش و اقارب سے کیا سلوک پر تعجب ہے دوستوں سے کیا رویہ رہا، امت کا وہ طبقہ جس کی اجرت پسینہ خشک ہونے سے قبل اس کے حق معاوضہ ادا کرنے کی ہمیں تلقین کی گئی، اور جسے عرفِ عام میں مزدور کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، سے بھلا کیا سلوک رہا جس مالک کا نمک کھاتے رہے اسکی غیر موجودگی میں اس کا حق نمک کیسے ادا کیا، یہ وہ سوالات ہیں جو بار بار ہمارا تعاقب کرتے ہیں، دل میں کروٹیں لیتے ہیں اور ہم سے بار بار جواب کا تقاضا کر رہے ہیں۔

اگر خداوند تعالیٰ نے ہمیں خدا گریبان جھانکنے کی توفیق دی، اور دل کے آئینہ میں اپنے اعمال کی تصویر دیکھنے کی زحمت گوارا کی تو یقیناً ہمارے عمل اور اسلام کی تعلیمات کا تضاد آشکارا ہو جائے گا۔ ہمیں معلوم ہو جائیگا کہ ہم کس راہ کے راہرو ہیں۔ ہمارا رخ کعبہ کی جانب ہے یا ترکستان کی طرف، ہم عید میلاد النبی کی تقریبات سجاتے رہے، لیکن ہماری معاشرتی زندگی سنورنے کی بجائے اور بگڑتی رہی، ہم نے محفلِ میلاد پر چراغاں کا بندوبست کیا جس سے گھر اور بازار بقعۂ نور بن گئے لیکن دلوں کی دنیا بے نور ہی رہی، غور فرمائیں کہ محسنِ اعظم کی یاد میں تقریب اور اس میں ڈھول اور تاشے بجانے، خلافِ شرع جلوس نکالنے اور رسموں کے منانے کی کیا گنجائش؟ اسلام میں جاہلیت کے پیوند لگانے کا کیا جواز، آج مسلمانوں سے روحِ محمد پکار پکار کر کہہ رہی ہے، اور سبز گنبد کی نورانی آغوش میں محو استراحت ہستی مضطرب ہے کہ میرا نام لینے والے ہندوؤں کی دیوالی کی تقلید کر رہے ہیں۔

اے عشقِ محمد کا پرچار کرنے والو! اے ایمان کا دعویٰ کرنے والو!! یا ایھا الذین امنو!!! ذرا ہمیں خود شناس بنائیے۔ کہ تمہارا مقام کیا ہے۔ اور آپ کے کرشمے کہاں ہیں۔ آپ نے دنیا کو اپنے پیچھے چلانے آئے ہیں مگر دنیا کے پیچھے چلتے۔ تمہاری روشن تہذیب لیعاد و معاد اسوۂ دنیا کے اندھیروں میں اجالا کر سکتی ہے، لیکن آپ دوسری تہذیبوں سے بھیک مانگ رہے ہیں، مسلمان اور ہندی تہذیب مسلمان اور مصری تہذیب۔ مسلمان اور چینی تہذیب۔ مسلمان اور یورپی تہذیب۔ اور دنیا کو تہذیب سکھانے والے انسان! آج تو دوسروں کے آگے زانوئے شاگردی تہہ کر رہا ہے۔ تو انبیائے کرام کی زندہ تہذیب کا زندہ مرقع تھا، لیکن آج تو کس دلدل میں پھنسا، عید میلاد پر یہ اسراف و تبذیر کا مظاہرہ، غیر شرعی جلوسوں کی یہ نمائش، مبارک ایام میں نامبارک بدعتوں کی بھرمار خلافِ شرع نعروں کا لگانا اس امر کی غمازی نہیں کر رہا کہ محمد کا نام لیوا آج اغیار کی تقلید کر رہا ہے ؎

اے تماشا گاہِ عالم روئے تو
تو کجا بہر تماشا مے روی

ضرورتِ وحی

از قلم حضرت علامہ مولانا شمس الحق صاحب افغانی

دلیل اتباعی میں بجائے اس کے کہ آپ کی دی ہوئی تحریر کی اصلاح کی جاتی یہ مناسب سمجھا گیا کہ از سرِ نو مرتب کی جائے۔ لہذا جدید تحریر کی صورت میں اسکو بھیج رہا ہوں۔ (شمس الحق افغانی)

۹۔ دلیلِ اتباعی

کائنات میں اتباع کی حقیقت موجود ہے جس سے انکار کی گنجائش نہیں، محکوم حاکم کی اولاد والدین کی، اور شاگرد استاد کی، نوکر افسر کی، ممنونِ احسان افراد اپنے محسنوں کی، ناقص افراد باکمال افراد کی اطاعت اور اتباع کرتے ہیں۔ اور یہ اتباعِ نظامِ عالم کے لئے ایک فطری جذبہ ہے۔ جس کا محرک فطری شعور ہے۔ دنیا عالمِ اسباب ہے۔ اس لئے یہاں کا ہر فعل و عمل کسی نہ کسی سبب سے وابستہ ہے۔ اس ضابطہ کے تحت اطاعت و اتباع کا وجود بھی وابستہ اسباب ہے۔ اتباع کے تمام شعبوں پر اگر غور کیا جائے تو اس کے بنیادی اسباب چار ہیں۔ حسنؔ ۔ احسانؔ ۔ حاکمیتؔ ۔ رحمت و شفقت ۔ ان چار اسباب میں سے کسی جگہ اگر ایک سبب بھی موجود ہو اگرچہ کمزور درجہ میں ہو تو اس پر اطاعت و اتباع کا مرتب ہونا عقلاً لازمی قرار پاتا ہے۔

۱۔ حسن کی دو قسمیں ہیں حسن ظاہری و باطنی۔ ظاہری حسن ایک انسان کی خوبصورتی، وضع قطع کے تناسب اور اعتدال کا نام ہے۔ جب یہ وصف کسی فرد میں موجود ہو تو وہ اپنے عاشقوں کی نگاہ میں محبوب بن جاتا ہے۔ اور عاشق ایسے معشوق کے ہر ایک حکم کی اطاعت

اتباع کو لازمی سمجھتا ہے۔ چاہے اس اتباع میں اسکو جان کھپانی پڑے۔ عشاق اور معشوقین کی تاریخ میں اتباع عشاق کے سینکڑوں ایسے کارنامے آپ کو ملیں گے جن سے انکی سرفروشانہ اتباع کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ کیوں ہے اس لئے کہ عاشق کی نظر میں معشوق کے اندر ظاہری حسن کا جلوہ موجود ہے۔ اس طرح حسن باطنی یعنی غیر محسوس خوبی اور حسن کا مال ہے۔ حکماء، اولیاء کے ایک ایک فرمان کو ان کے عقیدتمند جان ومال سے عزیز رکھتے ہیں اور ان کے قول کا اتباع کرتے ہیں۔ افلاطون اور ارسطو، سپنسر، امام اعظم ابوحنیفہ، شیخ عبدالقادر جیلانی، امام بخاری وہ حضرات ہیں کہ انسانوں کی ایک بڑی جماعت ان کی متبع ہے۔ اس لئے نہیں کہ ان کے چہرے خوبصورت تھے، اسلئے کہ ان میں حکمت علم وتقویٰ کا حسن باطنی موجود تھا۔

۲۔ احسان ــــ انسانوں سے گذر کر حیوانات تک میں یہ جذبہ کارفرما ہے۔ کہ جب کوئی کسی پر احسان کرتا ہے تو جس پر احسان ہوتا ہے وہ اپنے محسن کی اطاعت اور اتباع کرتا ہے۔ یہاں تک کہ کتا بھی اپنے محسن کے زیر فرمان ہوتا ہے۔ اولاد اور شاگردوں کے اتباع میں بھی والدین اور استادوں کے احسان کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ احسان اتباع کا محرک ہے۔ خواہ احسان کم ہو یا زیادہ۔

۳۔ حاکمیت ــــ رعیت حاکموں کی اطاعت کرتی ہے۔ اور محکوم حاکم کے حکم کی اتباع کرتا ہے۔ یہ اس لئے کہ متبوع میں وصف حاکمیت موجود ہے۔ چاہے حکومت کا وہ عہدہ معمولی درجے کا ہو یہاں تک کہ تھانیدار اور تحصیلدار کے حکم کی بھی اطاعت کی جاتی ہے۔ چہ جائیکہ گورنر اور صدر مملکت کی۔

۴۔ رحمت وشفقت ــــ ہر آدمی اپنے مشفق دوست کی بات مانتا ہے۔ اور اس کا اتباع کرتا ہے۔ اولاد بھی شفیق والدین کے قول کی اتباع کرتی ہے۔ اور مرید اپنے مرشد کی اتباع کرتا ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے کہ شفیق ہمدرد اور خیرخواہ کی بات میں ہر آدمی اپنا فائدہ سمجھتا ہے۔ اس لئے وہ اتباع پر مجبور ہوتا ہے۔

اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ انسان میں جب ان چار اسباب میں سے ایک سبب بھی موجود ہو اگرچہ وہ سبب معمولی درجے کا ہو تو انسان فطرۃً ایسے انسان کے اتباع پر اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے۔ اور اس کے اتباع سے سرمو تجاوز نہیں کرتا۔ اب سوچنا یہ ہے کہ کیا خدا اور خالق کائنات میں اسباب اتباع میں سے کوئی سبب موجود ہے۔ اور اگر موجود ہے تو ایک سبب یا سب

کے سبب اور مگر تمام اسباب اتباع موجود ہیں تو اعلیٰ درجے میں ہیں یا ادنیٰ درجے میں ظاہر ہے کہ
خالق کائنات میں ایک سبب اتباع کیا بلکہ چاروں کے چار اسباب اعلیٰ درجے میں موجود ہیں۔
نہ ان کے برابر کسی کا حسن ہے۔ کیونکہ ہر حسن کا سرچشمہ وہی ہے۔ اور نہ اس کے برابر کسی کا احسان ہے۔
کیونکہ عرش سے فرش تک اس نے انسان کے لئے اپنا خوانِ نعمت بچھا دیا ہے ـــ وان
تعدوا نعمۃ اللہ لاتحصوھا ان الانسان لظلوم کفار۔ اور نہ ہی کوئی حاکم اسکی حاکمیت کی
ہمسری کرسکتا ہے۔ للہ ملک السموات والارض ان الحکم الا للہ۔ ـــ

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری

اسکی حاکمیت عالم سفلی وعلوی، دنیا، برزخ آخرت سب گوشوں پر حاوی ہے۔ انسان پر
اسکی شفقت اور رحمت ایسی ہے جسکی نظیر نہیں۔ انتہائی نافرمانی کے باوجود اس کے جود وبخشش
میں فرق نہیں آتا۔

تو جب خالق کائنات میں اتباع اور اطاعت کے چاروں اسباب اتباع قوی تر شکل
میں موجود ہیں اور اعلیٰ درجے میں موجود ہیں تو کیا اتباعِ الٰہی فطرۃً انسان پر لازم نہ ہوگا اور دوسری
جگہوں میں جب یہ اسباب موجبِ اتباع اور علتِ اطاعت ہیں تو کیا خالق کون ومکان میں
تعلیل کا یہ قانون معطل ہوکر رہ جائے گا، ہرگز نہیں، لہٰذا ہم فطرۃً اس یقین پر مجبور ہیں کہ خالق کائنات
کی اطاعت بدرجۂ اولیٰ لازمی اور ضروری ہے۔ اور یہ انسانی فطرت کا اٹل فیصلہ ہے۔ اب یہ
فیصلہ باقی رہ جاتا ہے۔ کہ جب خالق کائنات کی اطاعت اور اس کے حکم کا اتباع ضروری ہے۔
تو انسان اس فطری تقاضا کی تکمیل پر عمل پیرا ہونے کے لئے کیا صورت اختیار کرسکتا ہے، اور اسی
اتباع کی عملی شکل کیا ہوگی۔

اتباعِ الٰہی کی عملی صورت اور ضرورتِ وحی

اتباع اس کا نام ہے کہ متبوع کے پسندیدہ امور پر عمل کیا جائے اور
ناپسندیدہ کو ترک کیا جائے۔ خالق کائنات کی اتباع یہ ہے کہ اس کے پسند کردہ امور پر عمل ہو۔
اور ناپسند امور سے اجتناب ہو سکے۔ اللہ کی مرضیات اور لامرضیات کا علم ضروری ہے۔ یعنی
معلوم کرنا ضروری ہے کہ خالق عالم کن کاموں سے خوش ہوتا ہے۔ اور کن سے ناخوش اس علم کا ذریعہ
اس کے سوا اور کوئی نہیں کہ خدا خود بتلادے کہ وہ کن عقائد، اخلاق واعمال سے خوش ہوتا ہے اور
کن سے ناخوش، اللہ کی ذات تو ماوراء الوراء ہستی ہے۔ خود اپنے جیسے انسان کی پسند اور ناپسند

کا علم بھی ہمیں اس کے بتلانے کے بغیر نہیں ہو سکتا چاہے ہم اپنا سینہ اس کے سینے سے ملا دیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی پسند اور ناپسند امور میں اسکی تعلیم و تلقین اور بتلانے کے بغیر ناممکن ہے۔ اور بتلانا کلام کے ذریعہ ہوتا ہے، جو وحی الٰہی ہے۔ لہٰذا اجتماعی جذبہ کی تکمیل کے لئے وحی الٰہی دینِ الٰہی اور کلامِ ربانی کا نزول ضروری ہوا۔

وحی کی شکلیں

وحی اور کلام کے ذریعہ انسان کو مرضیاتِ الٰہیہ اور لامرضیات کی تعلیم کی دو صورتیں ہیں ـــــ ۱ـــ انفرادی۔ کہ خداوند تعالیٰ ہر انسان کو وحی کے ذریعہ فرداً فرداً یہ تعلیم دے کہ اسکی مرضیات اور لامرضیات کیا ہیں۔ ایسا کرنا خداوند تعالیٰ کے وقار اور شانِ جلال کے خلاف ہے۔ انسانی حاکم بھی اپنی رعیت کے ہر فرد کو خود جاکر اپنا حکم نہیں پہنچاتا ہے۔ بلکہ بالواسطہ پہنچاتا ہے۔ لہٰذا تعلیم احکام کی دوسری صورت انتخابی متعین ہوئی کہ حضرت حق جل مجدہٗ انسانوں میں سے ایک مقدس اور پاک ہستی کو منتخب کرکے اپنا کلام اور اپنی وحی اس پر نازل فرمادیں اور اسی ہستی کے ذریعہ باقی افراد کو احکام الٰہیہ کا ابلاغ ہو۔ ایسی ہستی کو شریعت کی اصطلاح میں نبی یا رسول کہا جاتا ہے۔ جس کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوکر حضرت خاتم الانبیاء علیہ السلام پر ختم ہوا کیونکہ وحی محمدی کے احکام ابد تک محفوظ ہیں، اور تعلیم و تبلیغ کے لئے انبیاء کی ضرورت نہیں علماء امت کافی ہیں ـــــــــ باقی آئندہ

حمد و مناجات

(جناب مولانا فہیم محمد صاحب کراچی، مؤلف تذکرہ سلیمان)

جاں را کہ گرفتارِ تنم ہستِ زمن ہست ۔۔۔ ذکرِ تو شفا بخشِ غم و رنج و محن ہست

وصفت نتواں گفت نہ خاموش تواں ماند ۔۔۔ در بزمِ جہاں تا سخن و لطفِ سخن ہست

از ذرہ نظر بین نظر ذرہ ہم دور ۔۔۔ چوں جاں کہ بہ تن ہست ہمہ صورتِ تن ہست

تو تابشِ ہر ذرہ و تو نورِ سمٰوات ۔۔۔ بے یادِ تو کاشانۂ دل بیتِ حزن ہست

ربطِ من و تو فاش تواں گفت و لیکن ۔۔۔ مفتی چہ خورسند کہ با دار و رسن ہست

یا رب تپشِ شوقِ نہاں تیز و فزوں باد ۔۔۔ تا آں کہ رخِ مرغِ قفس سوئے چمن ہست

چشمیست فرو ماندہ نظر بستۂ لطفت ۔۔۔ ایں است کہ سرمایۂ بے مایۂ من ہست

از پرتوِ خود قطرۂ شبنم بہ فلک شد ۔۔۔ نومید نیم زانکہ نگاہِ تو بہ من ہست

چوں ماہ ضیا بار ز انوارِ تو بادا ۔۔۔ آں ذرۂ بے نور کہ از خاکِ دکن ہست

اسلام میں تجارت کی اہمیت اور اسکے اصول

(ضبط و ترتیب ادارۂ الحق)

یہ تقریر پچھلے ماہ ایک تجارتی فرم کی افتتاحی تقریب کے موقع پر کی گئی۔ حاضرین کی اکثریت تجارت پیشہ افراد پر مشتمل تھی۔ (ادارہ)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم
فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔ (پس جب نماز ہو چکے تو زمین میں چلو پھرو اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔)

ایک تجارتی فرم کی افتتاحی تقریب پر ہم اور آپ سب یہاں جمع ہوئے ہیں۔ اسلام نے زندگی کے کسی شعبہ کو تشنہ نہیں چھوڑا وہ جس طرح عبادات اور اعتقادات کی تعلیم دیتا ہے، اس طرح معاملات اور تجارت کے طریقے بھی سکھاتا ہے۔ اسلام نے تجارت کو بھی بڑی اہمیت دی ہے۔ ہمارے آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نبوت ملنے سے پہلے خود تجارت فرما چکے ہیں۔ مضاربت کے طریقہ پر یعنی مال ایک کا اور عمل دوسرے کا ہو اور آمدنی ونقصان بٹائی کے طریقے پر دونوں کو ملے ——— حضورؐ نے امت کے سامنے ایک نمونہ پیش فرمایا اور تمام امتوں میں افضل امت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہے۔ اور پھر اس امت کے خلیفہ اوّل سیدنا ابوبکر الصدیقؓ تجارت ہی کیا کرتے تھے۔ خلیفہ بننے کے بعد کپڑوں کی گٹھڑی کندھوں پر اٹھائے جا رہے ہیں، حضرت عمرؓ نے دیکھا تو پوچھا کہاں جا رہے ہیں؟ فرمایا بچوں کے لئے تلاش رزق کی خاطر کپڑے فروخت کرنے جا رہا ہوں جو شریعت کا حکم ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اب مسلمانوں کے تمام امور خلافت تمہارے سپرد ہیں۔ اگر آپ کا سارا وقت امور خلافت کے لئے

فارغ ہو جائے تو بہتر ہو گا۔ چنانچہ صحابہ کے مشورہ اور اصرار پر ان کے لئے آٹھ آنہ یومیہ وظیفہ بیت المال سے مقرر کیا گیا۔ حضورؐ کے چچا حضرت عباس عطار تھے، یعنی عطر کی تجارت کرتے تھے۔
اسی طرح امیر المومنین حضرت سیدنا عثمانؓ بھی کھجوروں کی تجارت کیا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غلہ کی تجارت کی خود ہمارے امام اعظم ابو حنیفہؒ جن کے ہم مقلد ہیں بہت بڑے تاجر تھے۔ مشترکہ کمپنی کی شکل میں ان کی تجارت چلتی تھی۔ وصال کے وقت ۵ کروڑ روپیہ لوگوں کی مضاربت کا پڑا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ صفائی معاملات کا یہ حال تھا کہ ایک ایجنٹ کو کپڑا فروخت کرنے کے لئے دیا اور اس میں جو عیب تھا اسکی نشاندہی کراتے ہوئے اُسے تاکید کی کہ خریدار کو یہ عیب بتلا دیا جائے۔ اسلام کا حکم ہے کہ مبیع کا عیب بتلانا چاہئے۔ وہ ایجنٹ کسی دوسرے شہر میں کپڑا فروخت کر آیا مگر فروخت کے وقت عیب بتلانا بھول گیا۔ غالباً ۳۵ ہزار منافع ہوا تھا۔ اسے خیرات کر دیا۔
غرض جن لوگوں کو حلال تجارت کی توفیق ہو جائے وہ ان کی خوش قسمتی ہے۔ سب کچھ نیت کی اصلاح پر ہے۔ اگر نماز یا دیگر عبادات بھی خدا کی رضا کے لئے نہ ہوں تو وہ بھی وبالِ جان ہو جاتی ہیں۔
اسلام جامد مذہب نہیں ترقی دینے والا مذہب ہے۔ اگر اس پر صحیح معنوں میں عمل ہو جائے ـــ ہاں ترقی یہ نہیں کہ ایک شخص صرف دنیا کا ہو کر رہ جائے۔ دنیا بھی کماؤ مگر اس کے ساتھ فرائض بندگی سے بھی غفلت نہ ہو۔ آیت بالا جو میں نے پڑھی جمعہ کے بارہ میں ہے۔ اور بھی اتفاقاً جمعہ ہی کا دن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب نماز جمعہ سے فارغ ہو جاؤ تو زمین میں ابتغاء فضل اللہ کے لئے پھیل جاؤ۔ مگر غرور اور تکبر اور خدا سے غفلت کسی حال میں بھی نہ ہو۔ اللہ سے ڈرا کرو ـــ آیت میں تجارت کی اہمیت کی طرف اشارہ فرمایا گیا۔
جس قوم میں تجارت ہو گی وہ خود بخود پھیلتی اور بڑھتی جائے گی۔ انگریز تجارت کے نام سے ہندوستان آیا اور دو سو سال تک قابض رہا، اور آج بھی تجارت کے ذریعہ ہی نوآبادیات پر قبضے جماتے ہیں۔ یہ تمام لڑائیاں اور بین الاقوامی سیاست اس لئے ہے۔ کہ مال کی فروخت اور استحصال زر کے لئے منڈیاں فراہم ہوں۔ حدیث میں ہے کہ:
التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین (سچا اور امانت دار تاجر انبیاء شہداء اور صدیقین کی معیت میں ہو گا۔)
حضور اقدسؐ نے گر بتلا دیا کہ تجارت کی کامیابی کا گر صداقت اور امانت ہے۔ دولت نہیں۔

ان آنکھوں سے دیکھا کہ سرمایہ کے باوجود وہ دکانیں ختم ہو گئیں۔ خیانت کی اور کاروبار ختم ہو گیا۔ اگر تاجر نے وعدہ کیا کہ فلاں وقت مال یا پیسے دے دوں گا اور سامنے سچا کر دکھایا تو اگر پہلی بار کسی نے اس پر اعتبار نہ بھی کیا ہو دوسری دفعہ خود بخود اس پر اسکی صداقت عیاں ہو گی اگر تم نے مال فروخت کرتے وقت اسکی حقیقت سچائی سے بتلا دی تو ناممکن ہے کہ آپ کامیاب نہ ہوں۔

بخاری شریف[1] میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے مذکور ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک واقعہ بیان فرمایا کہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص دوسرے کے پاس آیا اور اسے کہا کہ مجھے ایک ہزار دینار قرض چاہئیں وہ اسے کہنے لگا کہ یہ کون ہے۔ اور کس بھروسے پر اسے مال دوں چنانچہ اسے گواہ طلب کرنے کا کہا اس نے کہا کفیٰ باللّٰہ شہیدا۔ اللہ ہی میرا گواہ ہے۔ پھر اس نے قرض مانگنے والے کو ضامن پیش کرنے کا کہا اس نے کہا کفیٰ باللّٰہ وکیلا۔ اللہ تعالیٰ ہی میرا بہتر ضامن ہے۔ چنانچہ اس نے اللہ پر بھروسہ کر کے ایک ہزار دینار دے دیئے۔ اور قرض کی واپسی کا ایک خاص وقت مقرر کیا گیا۔ اس زمانہ میں ریل موٹر اور لاری تو تھی نہیں، بیچ میں دریا حائل تھا۔ ادھر میعاد مقررہ سر پر آگئی، وہ شخص دریا کے کنارے آیا مگر کوئی کشتی اسے نہ ملی تو اس نے ہزار دینار ایک بانس میں بھر دیئے اور ایک رقعہ بھی ساتھ رکھ دیا۔ اس کا سرا بند کر کے اس بانس کو یہ کہہ کر دریا میں ڈال دیا۔ کہ اے اللہ میرے پاس گواہ تھے نہ ضامن، میں نے آپ کا نام ضامن بنا دیا ہے اور وقت مقررہ تک اسے اب پہنچانے کی کوئی صورت نہیں اب یہ امانت تیرے سپرد کرتا ہوں کہ تو اسے مالک کے پاس پہنچا دیجئے ادھر وہ مالک مال کی امید میں پریشان دریا کے دوسرے کنارے اس کے انتظار میں ہے کہ اچانک اسے دریا میں ایک بانس بہتا نظر آیا اسے اٹھا کر گھر لے گیا کہ جلانے کے کام آجائے گا۔ وہاں جا کر اسے چیرا تو اس سے ہزار دینار اور رقعہ برآمد ہوا۔ دوسرے دن وہ شخص خود بھی ہزار دینار لئے ہوئے اس کے پاس پہنچا۔ اور معذرت کرتے ہوئے سارا واقعہ سنایا کہ میں مجبوراً نہ آسکا۔ اس نے جواب میں کہا کہ اللہ نے آپ کی امانت پہنچا دی ہے۔ اور آپ کا قرض خدا نے پہنچا دیا ہے۔ غرض جب ادائیگی کا ارادہ اور اللہ پر اعتماد ہو تو خدا ہر طرح مدد اور دستگیری فرماتا ہے۔

مگر یہاں تو دوسرا حال ہے، ہر چیز میں ملاوٹ، جلدی میں حق اور چائے میں بھوسہ ڈالتے ہیں شیطان نے عجیب طریقے سکھائے ہیں۔ پھر نتیجہ صفر ہوتا ہے کوئی برکت نہیں ہوتی، ملک بھر میں بدنامی الگ اور بے شمار پریشانیوں میں خدا اسے مبتلا کر دیتا ہے۔ حضور کا ارشاد ہے کہ سچا اور

---

[1] بخاری شریف جلد اول ص۳۰۶

دیانتدار تاجر انبیاء اور صدیقین کے ساتھ ہوگا۔ میں نے خود طالب العلمی میں یہ حدیث سنی تو حیران ہوا کہ ایک سچے اور دیانتدار اور معاملات میں صفائی رکھنے والا مسلمان تاجر چلتا پھرتا مبلغ بن سکتا ہے۔ یہ اسلام دور دراز ممالک میں جو پھیلا اس میں خدا ترس تجار کا بھی بڑا حصہ ہے۔ جاوا سماترا جو اب انڈونیشیا میں شامل ہے، میں چند مسلمان تاجر گئے اور اپنی صداقت و امانت اور اعمال صالح سے اسلام پھیلانے لگے۔ مقامی تاجر جو ہر طرح لوٹ کھسوٹ کرتے تھے۔ انہوں نے شور مچایا کہ یہ باہر کے لوگ ہماری تجارت پر قابض ہو رہے ہیں۔ عوام جو ان کے عدل و انصاف اور سچائی کے گرویدہ ہو چکے تھے۔ وہ ان کی حمایت میں کھڑے ہو گئے اور کہا کہ اگر ان مسلمانوں کو نکالا گیا تو ہمارے ترک وطن کا بھی انتظام کیا جائے غرض ان چند مسافروں کے ذریعہ وہاں اسلام پھیلا کہ جو مذہب اس سچائی اور دیانت کی تعلیم دے اُسے اپنانا چاہیئے وہاں کے لوگوں کا یہ حال ہوا کہ اب سے کچھ عرصہ قبل نوجوان جب تک حج نہ کر لیتا تو ان کی شادی نہ ہو سکتی۔ عربی زبان اپنائی اور اب بھی وہاں دیگر مسلمان ممالک سے زیادہ سمجھی جاتی ہے۔

حضور نے فرمایا : نعم المال الصالح للرجل الصالح ۔ (نیک آدمی کے لئے پاکیزہ مال بہت بہتر ہے) ـــــ مقصد زندگی دنیا اور دولت نہیں آخرت اور رضائے الٰہی ہے۔ اور اگر یہ مال اس کے حصول کا ذریعہ بنے تو بہت بہتر ہے۔ دنیا کی مثال دریا اور زندگی کشتی کی مانند ہے۔ یہ کشتی اگر پانی کے اوپر چلے تو کامیابی ہے اور اگر اس میں پانی داخل ہو تو کشتی ڈوب جائے گی اسی طرح اگر مسلمان کا دل خدا کی یاد سے معمور ہو تو دنیا کا اثر نہ ہوگا، اور جب دنیا کو دل میں جگہ دی اسلام خدا اور رسول کو دل سے نکال دیا، اپنے پیٹ اور خواہش کے بنے تو ایسا شخص غرق ہوا اور ایسی قوم بالآخر صفحۂ ہستی سے مٹ گئی۔

قارون کو خدا نے بڑی دولت دی موسیٰ علیہ السلام نے اسے بار ہا کہا کہ : وابتغ فیما آتاک اللہ الدار الآخرۃ ولا تنس نصیبک من الدنیا ۔ (اور تلاش کر اللہ کے دئے ہوئے میں دار آخرۃ اور دنیا سے اپنا حصہ انشاء مت بھول یعنی دنیا کو آخرت کا ذریعہ بنا) مگر وہ نہ مانا، وہ اس گھمنڈ میں تھا کہ یہ سب میری محنت اور تدبیر کا نتیجہ ہے۔ خدا نے زمین کو حکم دیا کہ نگل جاؤ اسے زمین نے مع خزانوں کے نگل لیا۔ اسی طرح یہ تجارت اور دولت اللہ کے دین کی اشاعت کا ذریعہ بننا چاہیئے۔ اسلام کی خدمت زیادہ تر اسی متوسط طبقہ تجارت پیشہ افراد کی حکومتوں نے کبھی اسلام کی اشاعت اور خدمت میں اتنا حصہ نہیں لیا الا ماشاء اللہ تاجروں میں غرور کم ہوتا ہے کیونکہ وہ حاکم نہیں ہوتے۔ پھر غریب

باقی ص ۴۵ پر

مغربی تہذیب کی تباہ کاریاں

از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ

ہمیں اس وقت نہایت اختصار کے ساتھ بلکہ اشارات میں یہ دکھانا ہے کہ مغرب کے اقتدار کے اس سیلاب میں جو تمام روئے زمین پر پھیل گیا ہے۔ اور اس کے اثرات سے پہاڑوں کی چوٹیاں اور وادیوں کی گہرائیاں آکسفورڈ کے ضمیر بلکہ ہوا اور پانی بھی محفوظ نہیں، دنیا کو کیا معنوی روحانی اور اخلاقی خسارے برداشت کرنے پڑے؟

ذوقِ خدا طلبی کا عالمگیر فقدان

اسلامی تمدن و حکومت کے عالمگیر اثرات سے پوری دنیا میں (جو اسلام اور مسلمانوں کے زیر اثر تھی) خدا طلبی کا عام ذوق پایا جاتا تھا، ہزاروں لاکھوں اشخاص دین کی طلب اور مردانِ خدا کی تلاش میں دنیا کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ میں پہنچتے تھے۔ دنیا داری اور مادیت کے پھیل جانے کے بعد دینی رجحان اور خدا طلبی کا مرکز ان حضرات کی ذات اور ان کے مقامات تھے جنہوں نے غفلت اور مادیت کے سمندر میں انسانی زندگی کے چھوٹے چھوٹے جزیرے قائم کر رکھے تھے۔ جہاں وہ لوگوں کو مادیت کے اس بھنور سے نکال کر ان کی دینی تربیت کرتے تھے۔ اور ان میں طوفان کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت و قوت پیدا کرتے تھے، بعد کی صدیوں میں ان کو صوفیہ و مشائخ کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

ان حضرات کی طرف رجوع ان آخری صدیوں میں دینی رجحان اور عام مسلمانوں کے ذوقِ خدا طلبی کا ایک حد تک پیمانہ ہے جس سے ہم معلوم کر سکتے ہیں، کہ لوگوں میں اس زمانہ میں مادیت و دنیا داری سے کس حد تک گریز اور دین کی کہاں تک طلب پائی جاتی تھی۔

عالم اسلامی کے مرکزی شہروں میں تقریباً ہر جگہ ایسے اشخاص موجود تھے جن کی ذات بحرِ ظلمات میں روشنی کا مینار تھی، لوگ پروانوں کی طرح اس روشنی پر گرتے تھے۔ دنیا کے دور دراز گوشوں سے

طالبین خدا وہاں جمع رہتے تھے، وہ مسلمانوں کی ایک بڑی بین الاقوامی آبادی ہوتی تھی۔ جہاں ایک وقت میں مشرق و مغرب شمال و جنوب کے مسلمان پائے جاتے تھے اور اسلام کی وسیع دنیا وہاں سمٹی ہوئی نظر آتی تھی۔

ہمارا ملک ہندوستان جو اسلامی دنیا کے ایک سرے پر واقع ہے دینی ذوق و شوق اور خدا طلبی کا ایک بڑا مرکز رہا ہے۔ یہاں ہر دور میں مسلمان سلاطین کی سلطنت کے پہلو بہ پہلو دینی و روحانی حکومت کے آزاد مرکز قائم رہے، جہاں سینکڑوں ہزاروں اشخاص اپنے زمانہ کی تمام مادی ترغیبات سے آزاد اور حکومت و سیاست کے انقلابات سے بے نیاز ہوکر اپنا کام کرتے تھے۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۲۵ھ) کی روحانی نو آبادی بستی غیاث پور اسکی ایک اچھی مثال ہے جس نے عین مرکز حکومت (دہلی) میں آٹھ باجبروت سلاطین (غیاث الدین بلبن ۶۶۴۔۔۔۶۸۶) سے لیکر غیاث الدین تغلق ۷۲۰۔۷۲۵ تک) کے عہد حکومت میں تقریباً پچاس برس تک اپنی خود اختیاری اور بے نیازی قائم رکھی[1] اور جہاں سنجر[2] سے کر اودھ[3] تک کے طالبین خدا پڑے رہتے تھے۔

اگر تمام سلاسل طریقت کے بزرگوں کے مرکزوں کی آبادی اور ان کی طرف لوگوں کے رجوع کی تفصیل کی جائے (جس سے اس زمانہ کے دینی طلب و رجحان اور دینی عزت و احترام کا اندازہ ہوتا ہے۔) تو اس کے یہ اوراق متحمل نہیں۔ اس لئے نمونہ کے طور پر صرف ایک سلسلہ (سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ) کے چند بزرگوں کے ساتھ مسلمانوں کے تعلق اور ان کی طرف اہل زمانہ کے رجوع کا مجمل ذکر کیا جاتا ہے جس سے اندازہ ہوگا کہ ان کے زمانہ میں جو مادیت اور دنیا داری کے عروج کا زمانہ تھا۔ ذوق خدا طلبی کا کیا حال تھا۔ اور دین کی کشش کہاں کہاں سے لوگوں کو کھینچ کر لاتی تھی۔

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ (م ۱۰۳۴ھ) کے متنسبین کی فہرست پر نظر

---

[1] حضرت نظام الدین غیاث الدین بلبن کے عہد حکومت میں ۶۶۵ھ میں دہلی تشریف لائے۔ کچھ عرصہ تک مختلف محلوں میں قیام رہا پھر بستی غیاث پور (موجودہ بستی نظام الدین) میں مستقل قیام اختیار کیا ۷۲۵ھ تک مختلف سلاطین آپ سے ملنے کی کوشش کرتے رہے لیکن کسی کو کامیابی نہیں ہوئی۔ تقریباً ۶۰ برس کی مدت تک آپ اور آپ کے اہل زاویہ بالکل یکسو رہے

[2] شیخ حسن علا سنجری [3] شیخ نصیر الدین چراغ دہلی۔

ڈالئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہندوستان و افغانستان کے کتنے شہروں اور قصبات کے کتنے کثیر التعداد اشخاص اور عہد جہانگیری کے کتنے بڑے بڑے امیر اور ارکان دولت ان کے حلقہ ارادت و بیعت میں داخل تھے اور کتنی ودوسرے دماغوں نے سرہند آکر استفادہ کیا تھا۔

ان کے جلیل القدر خلیفہ حضرت سید آدم بنوری (م ۱۰۵۳ھ) کی خانقاہ میں ایک ایک ہزار آدمی روزانہ رہتے تھے جو دونوں وقت خانقاہ میں کھانا کھاتے تھے۔ ان کی سواری کے ساتھ ہزاروں آدمی اور سینکڑوں علماء ہوتے تھے، تذکرۂ آدمیہ میں ہے کہ ۱۰۵۲ھ میں جب آپ لاہور تشریف لے گئے تو سادات و مشائخ اور دوسرے طبقوں کے دس ہزار آدمی آپ کے ہم رکاب تھے، طالبین کا اتنا مجمع ہر وقت رہتا تھا کہ شاہجہاں کو ان کی طرف سے خطرہ پیدا ہوگیا تھا۔ اس نے کچھ رقم بھیج کر کہلایا کہ آپ پر حج فرض ہوگیا ہے آپ حرمین تشریف لے جائیں، چنانچہ آپ ہندوستان سے ہجرت کر گئے۔

مجدد صاحب کے نامور خلیفہ اور صاحبزادہ حضرت خواجہ معصوم (م ۱۰۷۹ھ) کے ہاتھ پر نو لاکھ انسانوں نے بیعت و توبہ کی اور سات ہزار آدمی خلافت سے مشرف ہوئے[1]

ان کے صاحبزادہ شیخ سیف الدین سرہندی (م ۱۰۹۶ھ) کی خانقاہ (دہلی) میں طالبین کے ہجوم کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صاحب ذیل الرشحات کے بیان کے مطابق ایک ہزار چار سو آدمی دونوں وقت ان کے دسترخوان پر اپنی فرمائش اور خواہش کے موافق کھانا کھاتے تھے[2]

امرا اور اہل ثروت کا بزرگان دین سے جو تعلق (دینی محبت و احترام کی بنا پر) تھا اس کا ایک نمونہ یہ تھا کہ حضرت خواجہ محمد زبیر سرہندی (م ۱۱۵۰ھ) جب مکان سے مسجد تشریف لے جاتے تو امراء راستہ میں دوشالے اور رومال بچھا دیتے کہ آپ کا پاؤں زمین پر نہ پڑے، کسی مریض کی عیادت یا کسی اور کام کے لئے کہیں تشریف لے جانا ہوتا تو آپ کی سواری بادشاہوں کی طرح نکلتی اور آپ کے جلو میں امرا اور اہل دولت کی پالکیاں اور سواریاں ہوتیں[3]

البتہ انڈیا کمپنی کے عہد تجارت میں انقلاب حکومت سے کچھ پہلے تک یہ ذوق لپیٹے علاوہ جو مجدد تھا حضرت شاہ غلام علی (م ۱۲۴۰ھ) (خلیفہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں) کے عہد میں دہلی کی خانقاہ مجددیہ طالبین کا بہت بڑا مرکز تھی۔ ـــــــــ سر سید احمد خاں مرحوم

---

[1] نزہۃ الخواطر جلد پنجم بحوالہ مقامات معصومیہ … المعارف، ارشاد رحمانی، نزہۃ الخواطر۔

آثار الصنادید میں لکھتے ہیں:

"میں نے حضرت کی خانقاہ میں اپنی آنکھ سے روم اور شام اور بغداد اور مصر اور چین اور حبش کے لوگوں کو دیکھا ہے. کہ حاضر ہو کر بیعت کی اور خدمت خانقاہ کو سعادت ابدی سمجھے، اور قریب قریب کے شہروں کا مثل ہندوستان اور پنجاب اور افغانستان کا تو کچھ ذکر نہیں کہ ٹڈی دل کی طرح امنڈتے تھے . . . . . حضرت کی خانقاہ میں پانچ سو فقیر سے کم نہیں رہتا تھا. اور سب کا روٹی کپڑا آپ کے ذمہ تھا." [1]

شاہ رؤف احمد مجددیؒ درالمعارف میں صرف ایک روز کے طالبین کے مقامات کی فہرست لکھتے ہیں. جو ۲۰ جمادی الاولی سنہ ۱۲۳۱ھ کو دہلی کی اس خانقاہ میں استفادہ کے لئے حاضر تھے.

سمرقند، بخارا، غزنی، تاشقند، حصار، قندھار، کابل، پشاور، کشمیر، ملتان، لاہور، سرہند، امروہہ، سنبھل، رامپور، بریلی، لکھنؤ، جائس، بہرائچ، گورکھپور، عظیم آباد، ڈھاکہ، حیدرآباد، پونہ وغیرہ. [2]

اور یہ وہ زمانہ ہے جب نہ ریلیں تھیں، نہ آمد و رفت کی وہ سہولتیں جو آج حاصل ہیں ایسٹ انڈیا کمپنی کے اسی دور میں انگریزی عملداری سے کچھ پہلے حضرت سید احمد شہیدؒ (۴۶ ۱۲ھ) اور اُن کے جلیل القدر رفیقوں، مولانا عبدالحی بڈھانوی (م ۴۳ ۱۲ھ) اور مولانا اسمٰعیل شہید (ش ۴۶ ۱۲ھ) اور اُن کے مخلص مبلغوں نے مسلمانوں کو خدا و رسول کی طرف رجوع کی دعوت دی اور ففروا الی اللّٰہ — (خدا کی طرف بھاگو) کی صدا بلند کی اور غفلت و معصیت اور خلاف شرع زندگی کے خلاف جدوجہد شروع کی، مسلمانوں نے جس ذوق و شوق کے ساتھ اس دعوت پر لبیک کہی اور جس طرح پروانہ وار اس جماعت کے امیر کے گرد جمع ہوئے جس عالی حوصلگی اور فراخ دلی کے ساتھ اس کے وفود کا خیر مقدم کیا اور اپنی دینی محبت و تواضع کا ثبوت دیا پھر جس طرح ہندوستان میں اسلام کے سارے باغوں کے بہترین پھولوں کا عطر کھینچ کر ان کے پاس پہنچ گیا۔ (جو سنہ ۱۲۴۶ھ کے واقعہ میں بالاکوٹ کی مٹی میں مل گیا۔) اس سے اس کا تجربی اندازہ ہوتا ہے۔ کہ اس تنزل کے دور میں بھی مسلمانوں میں دین کی کتنی طلب اور خدا طلبی کا کیسا ذوق اور نشہ اور کیسی عالی ہمتی اور کتنی اچھی صلاحیت و استعداد تھی۔

---

[1] آثار الصنادید باب چہارم [2] درالمعارف ص۲۳

مسلمانوں کے اس دینی ذوق کا اندازہ ان تبلیغی سفروں کی روداد سے ہوگا جو سید صاحبؒ نے بڑی بڑی جماعتوں کے ساتھ دوآبہ کے قصبات اور شہروں میں اور پھر اودھ میں کئے۔[1] مسلمانوں کے ذوق و اشتیاق کا مزید اندازہ سید صاحب کے سفر حج سے ہوگا۔ جو آپ نے سنہ ۱۲۳۶ھ میں کیا۔ اس پورے سفر میں ہندوستان کا وہ مشرقی خطہ جو اب تین صوبوں (صوبہ متحدہ، بہار اور بنگال) پر مشتمل ہے۔ اور اس قافلہ کی گذرگاہ تھا۔ مسلسل جنبش اور حرکت میں تھا۔ ہر جگہ دین کے طالب مسلمان پروانوں کی طرح گرتے تھے۔ معصیت اور غفلت کی زندگی سے توبہ کرتے تھے۔ اور خدا سے نیا عہد و پیمان باندھتے تھے۔ دیہاتوں اور گاؤں کے لوگ سینکڑوں کی تعداد میں جوق در جوق آتے تھے۔ اور بیعت و توبہ کرتے تھے۔ اہل شوق اپنے مواضعات اور مقامات پر لے جاتے تھے۔ متوسط الحال لیکن بلند ہمت مسلمان پورے قافلہ کی (جس میں کلکتہ پہنچتے پہنچتے ساڑھے سات سو آدمی ہوگئے تھے۔) اور ان صدہا مسلمانوں کی جو قریب و جوار سے جمع ہو جاتے تھے۔ دل کھول کر کئی کئی دن ضیافت کرتے تھے۔ مسلمان رؤسا شاہانہ اولو العزمی سے دین کے کام میں اپنی دولت صرف کرتے تھے۔ شیخ غلام علی صاحب رئیس الہ آباد نے بارہ پندرہ دن میں مجموعی طور پر بیس ہزار روپیہ صرف کئے۔ ان کے دسترخوان پر دونوں وقت سینکڑوں آدمی کھانا کھاتے تھے۔ بعض لوگوں کا تخمینہ تھا کہ ایک ہزار روپیہ روزانہ کھانے پر صرف ہوتا تھا۔[2] لوگوں کے رجوع اور اہل طلب کے ہجوم کا یہ عالم تھا کہ پورے پورے شہروں میں تھوڑے آدمی ایسے ہوں گے جو توبہ و بیعت سے اور اس قافلہ کے دینی برکات سے محروم رہ گئے ہوں گے۔ الہ آباد، مرزاپور، بنارس، غازی پور، عظیم آباد، پٹنہ اور کلکتہ میں مجموعی طور پر کئی لاکھ مسلمانوں نے بیعت و توبہ کی۔ دین کی عمومی اہمیت اور طلب کا اندازہ اس سے ہوگا کہ بنارس میں ہسپتال کے مریضوں نے بھی پیغام بھیجا کہ ہم معذور ہیں وہاں تک ہمارا آنا دشوار ہے۔ اگر آپ لِلّٰہ فی اللّٰہ یہاں تشریف ارزانی فرمائیں تو ہم بیعت کریں۔ آپ ایک روز چند آدمیوں کے ہمراہ تشریف لے گئے اور ان مریضوں نے بھی توبہ و بیعت کی۔[3]

کلکتہ میں دو مہینے قیام رہا روزانہ ایک ہزار آدمی کے قریب بیعت سے مشرف ہوتے

---

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "سیرت سید احمد شہید" طبع ثالث [2] مخزن احمدی (فارسی) از مولوی محمد علی صاحب مرحوم (م سنہ ۱۲۷۹ھ)

روز بروز ہجوم بڑھتا جاتا تھا، کثرت بیعت کا یہ حال تھا کہ صبح سے دو ڈھائی پہر رات گئے تک مردوں اور عورتوں کا ہجوم رہتا، سید صاحب کو سوائے نماز پڑھنے کھانا کھانے اور ضروریات بشری کے کچھ فرصت نہ ملتی، علیحدہ علیحدہ ایک ایک شخص سے بیعت لینا محال تھا، ایک وسیع مکان میں سب جمع ہو جاتے، آپ تشریف لاتے، سات آٹھ دستاریں کھول کر آپ لوگوں کے ہاتھ میں دے دیتے۔ لوگ ان کو جا بجا سے تھام لیتے اور آپ بیعت کے الفاظ کو اذان کی طرح بلند آواز سے تلقین فرماتے دن میں سترہ اٹھارہ بار یہی عمل ہوتا۔ اور ہزاروں آدمی روزانہ اس طرح بیعت سے مشرف ہوتے تھے

نماز فجر کے بعد سید صاحب نے ۱۵-۲۰ روز تک وعظ فرمایا، روز دو ہزار امرا اور علماء اور درویش ہر روز آتے تھے۔ اور غربا کا تو کچھ شمار نہ تھا۔ مولانا عبدالحی صاحب جمعہ و سہ شنبہ کو نماز ظہر کے بعد سے شام تک وعظ فرماتے تھے اور لوگ پروانہ وار جمع ہو جاتے تھے۔ ـــــ روزانہ ۱۰-۱۵ ہندو مسلمان ہوتے تھے

اصلاح و دینداری، توبہ و انابت کی اس عمومی فضا کا اثر یہ ہوا کہ کلکتہ میں یک لخت شراب کی بِکری موقوف ہو گئی۔ دوکانداروں نے جاکر سرکار انگریزی میں اس کا شکوہ کیا کہ ہم لوگ سرکاری محصول برابر ادا کرتے ہیں، اور دکانیں ہماری بند ہیں۔ جب سے ایک بزرگ اپنے قافلے کے ساتھ اس شہر میں آئے ہیں۔ شہر اور دیہات کے تمام مسلمان ان کے مرید ہوئے اور ہر روز ہوتے جاتے ہیں۔ انہوں نے کل مسکرات (نشہ آور چیزوں) سے توبہ کی ہے۔ اب کوئی ہماری دکانوں کی طرف ہو کر بھی نہیں نکلتا

دین اور اہل دین کی محبت کا یہ حال تھا کہ جب حجاج کا یہ قافلہ جو سات سو آدمیوں پر مشتمل تھا۔ مکہ معظمہ سے واپسی میں مرشد آباد کے قریب دیوان غلام مرتضیٰ کے دولت خانہ پر مقیم ہوا، تو دیوان صاحب نے بھرے بازار میں اعلان کر دیا کہ سید صاحب کے قافلہ کا جو آدمی اس بازار سے کچھ خریدے یا کسی دستکار سے کام لے تو اس کی قیمت و اجرت میرے ذمہ ہے، سید صاحب نے ان کو سمجھایا کہ آپ اس قدر زیر بار کیوں ہوتے ہیں۔؟ انہوں نے جواب دیا کہ کسی مسلمان کے گھر کوئی حاجی آ جاتا ہے تو اس کی بڑی سرفرازی ہوتی ہے۔ میں اپنی

لہ صلہ ۳ وقائع احمدی

قسمت پہ جس کے ناز کروں کم ہے کہ اتنے حجاج نے مجھے سرفراز فرمایا۔

پھر جب سید صاحب نے مسلمانوں کو جہاد کی دعوت دی تو مسلمانوں نے گرم جوشی کے ساتھ قبول کی کاشتکار ہل چھوڑ کر تاجر دکانیں بند کر کے ، ملازم اپنے آقا کو سلام کر کے امرا اپنے محلوں سے نکل کر ، علماء اور مشائخ مسند درس و ارشاد چھوڑ کر ساتھ ہو گئے اور کسی نے پلٹ کر اپنے گھر کو نہ دیکھا ، یہاں تک کہ ان سرفروشوں کی آخری جماعت نے بالاکوٹ کی تنگ اور سنگ لاخ گھاٹی میں ان پتھروں اور چٹانوں کے درمیان (جن میں مسافر کا چلنا بھی آسان نہیں) اپنے سے دس گنا حریف کے مقابلہ میں جان دی اور مرتے مرتے بھی گھر کو یاد نہ کیا۔

یہ ساری تفصیل اس لئے کی گئی ہے کہ اس کا اندازہ کیا جاسکے کہ مسلمانوں کے برائے نام اقتدار کے بالکل آخری دور میں اور ان کے تنزل و انحطاط کے شباب کے زمانہ میں بھی لیکن مغربی استیلاء و تغلب کے عہد سے پہلے مسلمانوں میں کتنی دینی طلب اور قدر اور کس قدر دین کا ذوق و احساس اور کس قدر عالی ہمتی اور بلند حوصلگی تھی۔

انگریزی عملداری کے ابتدائی دور میں بھی جب کہ مغربی تہذیب و تعلیم اور اخلاق و سیاست کا اثر ہندوستان کی عام زندگی پر نہیں پڑا تھا ، پہلے دور کے اثرات موجود تھے ۔ اگرچہ ان کا دم واپسیں تھا اور حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۰۸ - ۱۳۱۳ھ) جیسے بزرگ جنہوں نے دونوں دور اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے ، اپنے زمانہ کی دینی ویرانی پر حسرت کرتے تھے۔ اور پڑھ ہو دو سے فرماتے تھے۔ ع

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

لیکن اگرچہ باد خزاں چلنے لگی تھی مگر خزاں کا دور دورہ نہیں ہوا تھا۔ خدا طلبی کا ذوق موجود تھا ، اہل اللہ سے تعلق اور اصلاح و تربیت زندگی کا ایک ضروری شعبہ سمجھا جاتا تھا ۔ اہل علم و اہل دین کو چھوڑ کر عام کاروباری مسلمان اور دنیادار امراء بھی اس خیال سے خالی اور اس شوق سے محروم نہ تھے ۔ بڑے بڑے مرکزی شہروں کو چھوڑ کر چھوٹے چھوٹے قصبات اور گاؤں بھی مردان خدا سے معمور تھے ۔ خدا کی طرف بلانے والے اور اللہ کا نام سکھانے والے مسلمانوں کی آبادیوں اور شہروں ، قصبوں اور دیہاتوں میں اس طرح تسلسل کے ساتھ پائے جاتے تھے کہ

لے منظورۃ السعداء از مولوی سید جعفر علی نقوی (م ۱۲۸۸ھ)

مشکل سے کوئی گروہ ان کے وجود سے خالی ہوگا۔ آج سے تیس چالیس برس پہلے کے ہندوستان پر نظر ڈالئے یا معمر بزرگوں سے سنیئے ملک کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک چراغوں کی ایک قطار نظر آئے گی۔

رفتہ رفتہ یہ چراغ سحر ایک ایک کرکے بجھنے شروع ہوئے، دیئے سے دیا جلنا تو عرصہ سے موقوف ہوگیا تھا، یہ رہے سہے دیئے بھی گل ہوگئے۔ جو کچھ نے رفتہ رفتہ پیدا کیا فصل خزاں میں درختوں کو بالتفاوت پتے گرانے کس نے دیکھا ہے لیکن موسم اور ہوا کی تاثیر ہے کہ پتے اور پھول سوکھ سوکھ کر خود جھڑ جاتے ہیں۔ انگریزی حکومت کی طرف سے بھی یہ اعلان نہیں ہوا کہ خانقاہیں بند کر دی جائیں اور اصلاح و ارشاد کی بساط تہ کر دی جائے اس کے برعکس اس زمانہ میں سفر کی بڑی سہولتیں پیدا ہوگئیں اور دور دراز کے مقامات پر پہنچنا پہلے سے بہت آسان ہوگیا۔ مگر دلوں سے وہ طلب اور شوق ہی نکل گیا۔ جو سمر قند و بخارا سے طالبین کو پیادہ پا دہلی لایا کرتا تھا اس نے اس درخت پر تیشہ کبھی نہیں چلایا اور اس کو کبھی آگ نہیں دی۔ مگر جڑ کو پانی نہ پہنچے اور موافق ہوا اور فضا نہ پانے کی وجہ سے اس کی شاخیں خود سوکھتی چلی جا رہی ہیں۔ اور پھلنا پھولنا اس نے عرصہ سے چھوڑ دیا ہے۔ زندگی میں خدا طلبی کا کوئی خانہ اور چھوٹے سے چھوٹا گوشہ بھی نہیں رہا۔ قلب و روح کی جگہ بھی معدہ اور شکم نے پر کر دی، زندگی کی تمام بلند اور لطیف حقیقتیں اوجھل ہوگئیں — اب مدت سے لسان غیب کی زبان پر ہے —

ڈھونڈھے اہل دل کو اب کوئی ششِ قلزم عبث
متاع دردِ دین جن میں تھی وہ کشتیاں ڈوب چکا!

<u>بقیہ: حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری</u>

پاک صورت مجسمہ رشد و ہدایت حامل قرآن و سنت منبع علم و فضل رہبر شریعت و طریقت کی روح پاک پر رحمت بیکراں نازل فرما اور قبر مبارک کو بقعہ نور بنا اور اپنے کرم بے پایاں سے اعلیٰ مقام ابرار و مقربین عطا فرما۔

اللھم اغفرہ وارحمہ واجعل الجنۃ مثواہ ومع المقربین والشھداء ماواہ وہ آغاز ملاقات تھا یہ آخری زندگی کے لمحات کا دیدار تھا کہ اس طرح جدائی کا داغ ملا۔ بہرحال اس کے بعد بہوڈی پہنچے بعد چہار شنبہ بعد ظہر نماز جنازہ ادا کرنے کے بعد بہوڈی ہی میں اس آفتاب علم کو دفن کر دیا گیا۔ ■■

مولانا حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی
رفیق اعزازی الحق

اسلام کا تصورِ نبوت

قسط ۹

انبیاء کی بشری خصوصیات

انبیاء علیہم السلام بشر ضرور ہوتے ہیں، لیکن اسکا یہ مطلب سمجھنا بھی صحیح نہیں کہ وہ عام بشر کی طرح بشر اور عام انسانوں کی طرح انسان ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ استنے ممتاز بھی ہوتے ہیں کہ اگر بیک وقت دونوں پر نظر ڈالی جائے تو یوں معلوم ہونے لگتا ہے کہ گویا وہ علیحدہ علیحدہ دو صنفوں کے افراد ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے دو رخ ہوتے ہیں۔ ایک طرف تو وہ بشریت کے جامہ میں ملبوس ہوتے ہیں، اور بشریت کے جملہ خواص ولوازمات ان کے اندر ہوتے ہیں۔ وہ انسانوں ہی کی طرح کھاتے پیتے ہیں۔ انسانوں ہی کی طرح سوتے جاگتے اور شادی بیاہ کرتے ہیں۔ ان کو بھوک کا بھی احساس ہوتا ہے۔ بچھو اور دیگر موذی کیڑوں کے کاٹنے سے انہیں درد بھی ہوتا ہے۔ ان پر عام انسانوں کی طرح جادو کا اثر بھی ہو جاتا ہے۔ زہر کے اثرات سے بھی ان کو اسی طرح تکلیف ہوتی ہے جس طرح ایک عام انسان کو تکلیف ہوتی ہے۔ وہ بعض دفعہ میدان جنگ میں بظاہر شکست بھی کھا جاتے ہیں، ان کے دانت بھی شہید ہوتے ہیں۔ ان کا جسم بھی زخمی ہو جاتا ہے۔ عام انسانوں کی طرح مختلف لوازمات زندگی کی ان کو فکر بھی لاحق ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ قبروں میں مدفون بھی ہوتے ہیں، لیکن دوسری طرف وہ اپنی روحانیت، پاکدامنی اور معصومیت میں عام انسانوں سے اس قدر بلند ہوتے ہیں کہ ان کی گرد راہ کو بھی نہیں پہنچا جا سکتا۔ دوسرے لفظوں میں وہ بلاشبہ انسان اور بشر ہوتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے مافوق البشری اوصاف اور خصوصیات کی وجہ سے مافوق البشر (SUPER MAN) بھی ہوتے ہیں۔ ان کا ہاتھ گو صورتاً ایک عام انسان کے ہاتھ کی طرح ہوتا ہے، لیکن ان کے ہاتھ کی انگلیوں سے کبھی پانی کے چشمے پھوٹتے ہیں اور کبھی صرف ایک اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ کبھی ایک اشارے سے مدینہ طیبہ سے ہٹ کر بادل اطراف کا رخ کر لیتے ہیں، اور کبھی ایک انگلی کے اشارے سے درخت اپنی جگہ سے ہٹ کر جہاں وہ چاہیں آجاتے ہیں، کبھی ان کے ہاتھ ید بیضا بن جاتے ہیں، اور کبھی ان کا ہاتھ اگر بیمار پہ پھیر جائے تو اس کی بیماری دور ہو جاتی ہے۔ ان میں سے بعض اثرات وقتی اور غیر اختیاری نہیں ہوتے بلکہ طبعی ہوتے ہیں۔

ان کے پاؤں گو عام انسانوں کی طرح ہوتے ہیں لیکن ان میں کبھی یہ خصوصیت پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ وہ جس پتھر پر قدم رکھتے ہیں وہ موم کی طرح نرم ہو جاتا ہے حتیٰ کہ پاؤں کے نشانات اس پر پڑ جاتے ہیں۔ اور پتھر تو کیا لوہا بھی موم کی طرح ان کے آگے نرم ہو جاتا ہے اور وہ اس کو جس طرح چاہتے ہیں توڑتے موڑتے ہیں۔ کبھی پتھر ان کے پاؤں کے نیچے بڑھتا اور گھٹتا ہے۔ اور جتنا اونچا وہ جانا چاہیں پتھر اتنا اٹھ جاتا ہے۔ اور جتنا وہ نیچے آنا چاہیں اتنا وہ پتھر دب جاتا ہے ——— انکی آنکھیں اگرچہ عام انسانوں کی طرح ہوتی ہیں۔ لیکن ان میں یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ جس طرح وہ آگے دیکھتے ہیں۔ اسی طرح ان کی نگاہ پیچھے بھی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ اپنے ساتھیوں سے کہہ دیتے ہیں کہ نماز میں اپنی صفوں کو سیدھا رکھا کرو اور خوب مل کر کھڑے ہوا کرو۔ کیونکہ میں تم کو اپنی پشت کی طرف سے بھی دیکھتا ہوں[1]۔ اور اگر آخری صف میں کھڑا آدمی بھی اپنی نماز میں کچھ کوتاہی کرتا ہے۔ تو وہ نماز کے اختتام کے بعد اس کو آواز دے کر فرماتے ہیں کہ اے فلاں! اللہ سے ڈرتا نہیں؟ دیکھتا نہیں کہ کیسی نماز پڑھتا ہے۔ تم لوگوں کا خیال شاید یہ ہوگا کہ جو حرکتیں تم کرتے ہو وہ مجھ سے پوشیدہ رہتی ہیں۔ بخدا جیسا میں اپنے سامنے سے دیکھتا ہوں اسی طرح پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں[2]۔ کبھی وہ اپنی آنکھوں کی اس خصوصیت کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے: اِنّی مَالَا تَرَوْنَ: میں وہ کچھ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے ——— اس کے کان اگرچہ عام انسانوں کے کانوں کی طرح ہوتے ہیں، لیکن وہ کئی سالوں کے دفن کئے ہوئے مردوں کے عذاب قبر کو بھی سنتے ہیں[3]۔ اور بفضل خداوندی وہ ہوا میں اڑتے ہوئے بھی زمین پر چلنے والی ایک چیونٹی تک کی آواز کو بھی سن لیتے ہیں[4] ——— ان کی زبان اگرچہ عام انسانوں کی زبان کی طرح ہوتی ہے، لیکن نہ صرف وہ تلخ و شیریں کا احساس کرتی ہے بلکہ حلال و حرام کا احساس بھی اسے ہو جاتا ہے اور اگر کبھی حرام یا ناجائز ذرائع سے حاصل شدہ کوئی چیز ان کو کھلائی جائے تو انکی زبان کا ذوقِ سلیم اس شے کے پیٹ میں جانے سے پیشتر ہی بتا دیتا ہے کہ یہ شے ناجائز طریقہ سے حاصل کی گئی ہے۔ اور وہ اس کے کھانے سے اجتناب کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ تاجدار مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک آدمی کے دفن سے فارغ ہو کر جب واپس تشریف لا رہے تھے۔ تو اسکی بیوی کی جانب سے ایک شخص آپؐ کو بلانے کے لئے آیا۔ آپ اس کے ہمراہ ہو لئے۔ کچھ صحابہؓ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ کے سامنے کھانا پیش کیا گیا۔ حسب دستور پہلے آپ نے اپنا ہاتھ بڑھایا اس کے بعد صحابہؓ نے اپنے ہاتھ بڑھائے اور کھانا شروع ہو گیا۔ صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہم نے دیکھا کہ آپ لقمہ تو چبا رہے ہیں، لیکن اسکو نگلتے نہیں۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا، ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ یہ گوشت کسی ایسی بکری کا ہے جو مالک کی اجازت کے بغیر حاصل کی گئی ہے۔ میت کی بیوی نے کہلا بھیجا

---

[1] رواہ البخاری [2] رواہ احمد [3] رواہ مسلم [4] ملخوذ از سورۃ النمل واقعہ سلیمانؑ

یارسول اللہ! واقعہ یہ ہے کہ میں نے نقیع کے بازار میں جہاں بکریاں فروخت ہوتی تھیں ایک آدمی بھیجا تھا تاکہ وہ میرے لئے ایک بکری خرید لائے جب وہاں بکری نہ ملی تو میں نے اپنے ایک پڑوسی کے پاس آدمی بھیجا تاکہ وہ اپنی بکری جس کو اس نے چند روز قبل خریدا تھا اسی قیمت پر مجھے دے دے جس قیمت پر اس نے خریدی تھی۔ اتفاقاً وہ پڑوسی نہ ملا۔ پھر میں نے اسکی بیوی کے پاس آدمی بھیجا۔ اس نے مجھ کو یہ بکری بھیج دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پھر یہ کھانا قیدیوں کو کھلا دو[1] ——— ان کی آواز اگرچہ عام انسانوں کی آواز کیطرح ہوتی ہے۔ لیکن انکی آواز میں یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ دلوں کی اجڑی ہوئی بستیوں کو ایک لمحہ میں آباد کر دیتی ہے۔ اور زمانہ کے وحشی اور بد اخلاق لوگوں کو معلم اخلاق بنا دیتی ہے۔ اور کبھی اس میں یہ خصوصیت بھی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ دور و نزدیک یکساں سنائی دیتی ہے۔ بلکہ ماؤں کے رحموں میں بھی سنی جا سکتی ہے۔

ان کے منہ کا لعاب اگرچہ صورتاً عام انسانوں کے لعاب کیطرح ہوتا ہے۔ لیکن حق تعالیٰ نے اس میں طرح طرح کی خصوصیات رکھی ہوتی ہیں۔ اس کے لگانے سے جسم کے زخم اچھے ہو جاتے ہیں، ٹوٹی ہوئی ہڈیاں جڑ جاتی ہیں، دکھتی ہوئی آنکھیں درست ہو جاتی ہیں، بیمار کی بیماری لمحوں میں چلی جاتی ہے۔ اس کا پسینہ اگرچہ دیکھنے میں عام انسانوں کے پسینے کی طرح ہوتا ہے۔ لیکن اس میں بجائے بدبو کے مشک و عنبر سے بہتر خوشبو بسی ہوئی ہوتی ہے عطر اور خوشبو کی جگہ پر اسے استعمال کیا جاتا ہے۔ بلکہ یہاں تک کہ جس کپڑے کو ان کا پسینہ لگ جائے اس کپڑے کو آگ بھی نہیں جلا سکتی۔ چنانچہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے پاس ایک دسترخوان تھا جس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پسینہ پونچھا ہوا تھا۔ وہ جب میلا ہو جاتا تو سیدنا انس رضی اللہ عنہ اس کو جلتے ہوئے تنور میں ڈال دیتے۔ آگ اس دسترخوان کی میل کچیل کو جلا دیتی اور وہ سفید اور صاف ستھرا ہو جاتا ——— ان کی نیند بھی اگرچہ ظاہری طور پر عام انسانوں کی نیند کی طرح ہوتی ہے۔ لیکن وہ جب سوتے ہیں تو ان کی صرف آنکھیں سوتی ہیں، دل ان کا جاگتا رہتا ہے۔ چنانچہ تاجدار مدینہ خود فرماتے ہیں:

انا معاشر الانبیاء تنام اعیننا ولا تنام قلوبنا[2] (ہم لوگ جو انبیاء ہوتے ہیں ہماری صرف آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتے۔)

وہ خواب میں بھی جو کچھ دیکھتے ہیں وہ وحی ہوتا ہے۔ اور امت اس پر عمل کی مکلف ہوتی ہے۔ نیز انکو سوتے وقت جگایا بھی نہیں جاتا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ان پر اس وقت وحی الٰہی آ رہی ہو ——— غرضیکہ انبیاء کی روحانیت کی بلندی نے انکی جسمانیات میں بھی ایک درجہ اختصاص پیدا کر دیا ہوتا ہے۔ زندگی کی کیفیات تو الگ ان کی وفات بھی عام انسانوں کی موت کی طرح نہیں ہوتی، بلکہ وہ اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں، کھاتے پیتے بھی ہیں، نماز بھی ادا فرماتے ہیں۔ اور باہر کی آواز بھی سنتے ہیں۔ △ △

---

[1] بیہقی، دلائل النبوۃ
[2] سیوطی، خصائص

عقیدۂ ختمِ نبوّت

کتاب و سنّت اجماع اور قیاس کی روشنی میں

مولانا جلال الدین فاضل حقانیہ مدرس مدرسہ عصریہ بھیرہ

جس طرح توحید خداوندی میں کوئی بحث اور شک نہیں ہے۔ اسی طرح قرآن مجید سے صاف واضح ہے۔ کہ سید المرسلین خاتم النبیین کی ختم نبوت میں کسی طرح کا شک اور تردد نہیں ہے زمین کے جس خطہ میں بھی توحید خداوندی کے پروانے موجود ہیں تو وہاں اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت کی صدا بلند کرنے والے اور باطل کا مقابلہ کرنے والے پروانے پیدا فرمائے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنی آخری کتاب قرآن مجید میں صاف طور پر سرور کائنات فخر موجودات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت اور رسالت کی ہمہ گیری کا اعلان فرماتے ہیں۔ وما ارسلنک الا کافۃ للناس بشیراً ونذیراً ولکن اکثر الناس لا یعلمون (اور ہم نے آپ کو تمام دنیا کے لوگوں کے لئے بنا کر بھیجا خوشخبری دینے والا، ڈرانے والا بھیجا۔ لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔ پ ۲۲ رکوع ۹)

اللہ تعالیٰ نے خود اسکی وضاحت فرمائی کہ الناس سے مراد وہ تمام لوگ ہیں جن کے کانوں تک قرآن کی آواز پہنچے۔ واوحی الیّ ھذا القرآن لانذرکم ومن بلغ۔ (اور یہ قرآن میری طرف وحی کیا گیا تاکہ میں اس کے ذریعہ تمہیں بھی تمہارے اعمال سے ڈراؤں اور انہیں بھی جن تک یہ قرآن پہنچے۔) ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلو علیھم آیتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین وآخرین منھم لما یلحقوا بھم وھو العزیز الحکیم۔ (وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں۔ اور ان کو پاک کرتے ہیں۔ اور ان کو کتاب اور دانشمندی سکھلاتے ہیں۔ اور یہ لوگ پہلے سے کھلی گمراہی میں تھے اور دوسروں کے

نے بھی جو ان میں سے ہونے والے ہیں۔ لیکن ابھی ان میں شامل نہیں ہوئے اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔ (بیان القرآن) یعنی جو مخلوق ان کے بعد آئے گی قرآن مجید اور حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے بھی ذریعۂ ہدایت ہیں ——— دنیا میں جتنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام آئے وہ سب اپنی اپنی قوم کے لئے رحمت تھے۔ لیکن جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ساری دنیا کیلئے رحمت کا پیام لانے والا بنا کر ارشاد فرمایا: وما ارسلنٰک الّا رحمۃ للعالمین۔ (پارہ ۱۷ رکوع ۷) (ہم نے آپ کو ساری دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا) یعنی آپ کا پیام رحمت ساری دنیا تک پہنچ کر شتر بانوں اور گلہ بانوں کو آداب جہاں بانی سکھلا دے گا۔

توحید خداوندی کو بیان کرتے وقت ہر ایک نبی نے یٰقوم اعبدوا اللہ مالکم من الٰہ غیرہٗ وغیرہ الفاظ سے خاص اپنی قوم کو خطاب کیا، لیکن جب حبیب کبریا علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تو یٰقوم (میری قوم) والا خطاب یاایہا الناس (اے لوگو) کے خطاب سے بدل گیا۔

چنانچہ ارشاد ہے: قل یاایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا الذی لہٗ ملک السمٰوٰت والارض لا الٰہ الا ھو یحیی ویمیت فاٰمنوا باللہ ورسولہ النبی الامی الذی یؤمن باللہ وکلمٰتہ واتبعوہ لعلکم تھتدون پارہ ۹ رکوع ۹ (تو کہہ اے لوگو میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف جس کی حکومت ہے آسمانوں اور زمین میں کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا وہی ہے اور مارتا ہے، سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے بھیجے ہوئے نبی امی پر جو کہ یقین رکھتا ہے اللہ پر اور اس کے سب کلاموں پر اور اس کی پیروی کرو تاکہ تم راہ پاؤ ——— (ترجمہ شیخ الہند)

ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین وکان اللہ بکل شیءٍ علیما۔ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول اور نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں، اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ (سورۃ احزاب)

احادیث سے ختم نبوت کا ثبوت

خاتم النبیین کے وہ معنی معتبر سمجھے جاویں گے جن کی تفسیر خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ پس حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انہ سیکون فی امتی ثلاثون کذابون کلہم یزعم انہ نبی وانا خاتم النبیین لا نبی بعدی۔ (تحقیق میری امت میں تیس بڑے بڑے کذاب ظاہر ہوں گے۔ ہر ایک کا گمان ہوگا کہ وہ اللہ کا نبی ہے۔ حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ...)

اس حدیث شریف سے صاف ظاہر ہے۔ کہ مدعیان نبوت میری امت میں سے ہونگے اور امتی کہلا کر ہی دعوائے نبوت بھی کریں گے۔ اور ان کے جھوٹے ہونے کے لئے یہ دلیل ہے کہ میں خاتم النبیین ہوں اور خاتم النبیین کی تفسیر لانبی بعدی سے فرمادی کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں خواہ تشریعی ہو یا غیر تشریعی، ظلی ہو یا بروزی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ تبوک کے لئے روانہ ہوئے تو سیدنا حضرت علیؓ کو اہل بیت کی نگرانی کے لئے چھوڑ دیا۔ اس پر حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑ چلے ہیں تو آپ نے انہیں یوں مطمئن فرمایا: اما ترضیٰ ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبوۃ بعدی۔ (اے علی کیا تم اس بات سے راضی نہیں کہ تمہیں مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام سے لیکن میرے بعد کوئی نبوت باقی نہیں۔ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۷۸ ولفظ البخاری الا انہ لیس نبی بعدی۔ صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۳۳

اب یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام شریعت جدیدہ والے نبی نہیں تھے۔ بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے ماتحت تھے ان کے ذکر کے بعد آپ کا لانبی بعدی فرمانا اس بات کی بین دلیل ہے کہ حدیث لانبی بعدی کے معنی یہی ہیں۔ کہ میرے بعد کوئی امتی نبی بھی نہیں آئے گا، نہ تشریعی نہ غیر تشریعی ——

ان روایات کے علاوہ بھی بے شمار احادیث اور بہت سی آیتوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے دلائل اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والوں کی تکذیب موجود ہے۔

ختم نبوت پر امت کا اجماع

کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اجماع امت کا عقیدہ ختم نبوت اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر قصر نبوت کی تکمیل کے دلائل سنیئے:

امام حجۃ الاسلام حضرت امام غزالیؒ لفظ خاتم النبیین کے متعلق الاقتصاد میں ارشاد فرماتے ہیں: ان الامۃ فہمت بالاجماع من ھذا اللفظ ومن قرائن احوالہ انہ افہم عدم نبی بعدہ ابداً وعدم رسول بعدہ ابداً وانہ لیس فیہ تاویل ولا تخصیص۔ الاقتصاد فی الاعتقاد صفحہ ۱۲۳ (امت نے اس لفظ خاتم النبیین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال وقرائن سے اجماعی طور پر یہی سمجھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی سمجھایا کہ آپ کے

بعد نہ کوئی نبی ہوگا اور نہ کوئی رسول اس مسئلہ ختم نبوت میں نہ کسی تاویل کی گنجائش ہے۔ اور نہ کسی قسم کی کوئی تخصیص ہے۔

حضرت علامہ قاضی عیاض اپنی کتاب شفاء میں یوں ارشاد فرماتے ہیں :

لانہ اخبر انہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خاتم النبیین ولا نبی بعدہ واخبر عن اللّٰہ تعالیٰ انہ خاتم النبیین واجمعت الامۃ علی حمل ھذا الکلام علی ظاہرہ وان مفہومہ المراد بہ دون تاویل ولا تخصیص فلا شک فی کفر ھٰؤلاء الطوائف کلہا قطعاً اجماعاً سمعاً۔

(اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور یہ کہ آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔ اور خدا کی طرف سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی بتلایا کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور امت کا اتفاق ہے کہ یہ آیت اپنے ظاہری معنوں پر محمول ہے۔ اور جو اس کا مفہوم ظاہری لفظوں سے سمجھ میں آرہا ہے۔ وہی اس میں بغیر کسی تاویل و تخصیص کے مراد ہے۔ پس ان لوگوں کے کفر میں قطعاً کوئی شک نہیں جو اس معنی کا انکار کریں۔)

سلطان اورنگ زیب عالمگیر کے حکم سے تیار کردہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے : اذا لم یعرف ان محمدا صلی اللّٰہ علیہ وسلم آخر الانبیاء علیہم السلام فلیس بمسلم ولو قال انا رسول اللّٰہ او قال بالفارسیۃ من پیغمبرم یرید بہ من پیغام برم یکفر۔ جلد ۲ ص ۲۶۳

(جب کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری پیغمبر نہ سمجھتا ہو تو وہ مسلمان نہیں ہے۔ اور اگر کسی نے کہا کہ میں خدا کا رسول ہوں اور پیغمبر ہوں تو وہ کفر کا مرتکب ہوگا۔)

قیاس سے ثبوت

اس کے بعد قیاس کو دیکھا جاوے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت اور مرزا غلام احمد قادیانی اور دیگر مدعیان نبوت کی تکذیب صاف اور واضح طریقہ سے ہوتی ہے کہ :

اور حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے لیکر جتنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام حتیٰ کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک کسی نبی نے کتاب اپنے ہاتھ سے نہیں لکھی بلکہ سب پر کتابیں اتری ہیں اور حقیقت بھی یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر کتابیں اترتی ہیں۔ وہ کتب فروش نہیں ہوتے اور نہ کتب نویس۔ ہم مرزائیوں سے پوچھیں گے کہ اگر کوئی ثبوت تمہارے ہاں اس بات کا ہو کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے بھی کتابیں اپنے ہاتھوں سے لکھی ہیں۔ تو پیش کردو۔ فاتوا ان کنتم صٰدقین۔ اور مرزا غلام احمد قادیانی نے کتنی کتابیں اپنے ہاتھوں سے لکھی ہیں۔ ہم ایسے شخص کو قطعاً نبی نہیں مانتے جو کتابیں اپنے ہاتھوں سے

لکھتا رہے اور کتب فروش بنا رہے اور جب دل چاہے تو نبی بن بیٹھے۔

۲۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام خدا کے شاگرد اور خلق خدا کے استاد ہوتے ہیں۔ اور یہی قانون اللہ جل جلالہ کا سب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ رہا۔ لیکن مرزا غلام احمد مخلوق خدا کے شاگرد بنے رہے۔ اور کئی سال تک سکول میں اور دیگر اساتذہ سے پڑھتے رہے ایسے شخص کو قطعاً نبی نہیں مانا جا سکتا۔

۳۔ جتنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام آئے ان کو اللہ تعالیٰ نے اچانک نبوت عطا فرمائی۔ نبی کو قبل از بعثت نبوت کی تمنا تو درکنار اس کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہیں آتی کہ مجھ کو نبوت ملنے والی ہے۔ لیکن اللہ جل جلالہ اپنے فضل و احسان سے نبوت عطا فرماتا ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق آتا ہے۔ کہ آگ لینے گئے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا : انی انا اللّٰہ رب العالمین فاخلع نعلیک انک بالواد المقدس طوی نبوت مل گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں بیٹھتے ہیں اچانک جبرئیل علیہ السلام حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں : اقرأ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ما انا بقاری میں پڑھا ہوا نہیں ہوں اور طبیعت میں تھوڑی دہشت بھی آجاتی ہے۔ اور گھر آکر حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو بھی فرماتے ہیں مجھے کمبل اوڑھا دو۔

تو ہم ایسے شخص کو نبی قطعاً نہیں مان سکتے جو نبیوں کی خرابیں دیکھ دیکھ کر نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر بیٹھے۔ پہلے محدث ہو پھر ولی بن جائے پھر رفتہ رفتہ مجتہد اور نبی بن جائے۔

بہر حال حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا عقیدہ قطعی کتاب و سنت اجماع امت سے ثابت ہے۔ چند دلائل ذکر کر دیئے گئے مستقل کتابیں اس موضوع پر لکھی گئی ہیں۔

سود کے بارہ میں ایک مغالطہ

جدید فنِ معیشت کی جانب سے جوازِ سود کے لئے یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ "سود اور ربا" کے درمیان فرق ہے، جو سود شرح مروجہ یا شرح قانونی سے زیادہ اور بھاری ہو اس کا نام ربا USURY ہے۔ اور ایسے سود خوار کو USURER کہتے ہیں۔ اور سود کی وہ شرح جو مروجہ یا قانونی ہے۔ سود یعنی ربا نہیں بلکہ سود یعنی "نفع جائز" ہے۔ اور اس کو آج کی اصلاح معیشت میں INTEREST کہا جاتا ہے۔

چنانچہ موجودہ سماج کے جدید باطل نظام سے مرعوب مسلمانوں نے بھی قرآنی حقائق سے ناآشنا یا بے پروا ہو کر یہ کہنا شروع کر دیا، کہ قرآن نے بھی سود کو نہیں "ربا" کو حرام قرار دیا ہے۔

جدید فنِ معیشت کا یہ بھی ایک سخت مغالطہ اور فریب ہے۔ اس لئے کہ جب جدید علماء معاشیین کے یہاں آج تک یہ طے نہ ہو سکا کہ بھاری سود اور مروجہ قانونی سود کی حدود کیا ہیں، تاکہ ربوا اور سود اپنے حقائق کے لحاظ سے باہم ممتاز ہو جائیں اور جیساکہ علم المعیشت کی کتابوں سے واضح ہوتا ہے۔ اس مسئلہ میں ان کے درمیان سخت اختلاف ہے۔ کہ کونسی ایسی شرح سود ہے جسکو جائز اور گراں شرح سود نہ کہا جا سکے کیونکہ جب بھی قانونی یا رواجی طور پر کسی شرح سود کو نفع یا فائدہ INTEREST کے درجہ میں متعین کیا جاتا ہے تو زیادہ عرصہ نہیں گذرتا کہ تجربہ ثابت کر دیتا ہے کہ یہ شرح بھی "انٹرسٹ" نہیں بلکہ "یوزری" کی حد میں آگئی ہے۔ اور اس طرح شرح سود کا مسئلہ ہمیشہ سے غیر مختتم اور غیر حقیقی (رسمی) بنا رہا ہے۔ اور آج بھی ہے۔ اور اسی بنا پر سماجی نظام میں معاشی تشویش اور بے چینی کا باعث ہوتا رہا ہے۔ اور اس وقت تک ہوتا رہے گا کہ شرح سود گھٹ کر "صفر" ہو جائے ـــــ نیز جب کہ گذشتہ سطور میں یہ واضح ہو چکا کہ نفسِ سود (ربا) خواہ کسی

شکل میں بھی ہو سماجی زندگی کے لئے تباہ کن اور معاشی وسائل کے لئے حد درجہ مضرت رساں ہے تو اب اس کو "انٹرسٹ" ویلفیئر یا "ربا المعتدل" و "ربا الفاحش" میں تقسیم کرنا اس وقت تک بے سود جب تک یہ ثابت نہ کر دیا جائے کہ انٹرسٹ اور ربا معتدل میں وہ نقصانات موجود نہیں جو ربا فاحش میں ہیں حالانکہ جدید علماء معیشت اس اعتراف پر مجبور ہیں کہ بینک سسٹم ہو یا مہاجنی سسٹم ان کی شرح سود آہستہ آہستہ تمام نظام سماجی کو تباہ کرنے کا باعث بن رہا ہے۔ اور تاوقتیکہ شرح سود صفر کی حد تک نہ پہنچ جائے۔ عام کساد بازاری اور عوام کی معاشی تباہ کاری کا کوئی حل نکالنا ناممکن ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مادیت کے فروغ، آزاد تعیش اور بے قید زندگی کی خواہش نے مادیین کے دماغوں میں ایک ایسے سماج اور ایسی سوسائٹی کا تصور پیدا کر دیا ہے جس میں سود کے بغیر تجارت اور صنعت و حرفت میں عظیم الشان تمدنی ترقی کے امکانات مفقود ہیں۔ اور دنیا کے حصول پر جب ان کو اقتدار اعلیٰ حاصل ہو گیا۔ انہوں نے اس تصور کو عملی شکل میں ڈھالنے کی کوشش کی، نتیجہ یہ نکلا کہ اگر ایک طرف تجارت اور صنعت و حرفت نے بیش از بیش ترقی کی اور بڑی بڑی مشینوں کی ایجادات اور سائنس کی اختراعات نے ان کو بام عروج پر پہنچایا تو دوسری جانب اس کا واضح اثر یہ ہوا کہ آہستہ آہستہ عوام کی قوت خرید گھٹنے لگی اور سرمایہ دار طبقہ کی قوت میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا اور نتیجہ یہ نکلا کہ دولت و ثروت سمٹ کر ایک مخصوص طبقہ کی اجارہ داری میں رہ گئی اور کروڑوں عوام معاشی ہلاکت کا شکار ہو کر رہ گئے اور یہ سب سماج کے اس نقشہ کی بدولت ہوا۔ جس میں سود اور ربا کا فرق بیان کر کے موجودہ بینک سسٹم، مہاجنی سسٹم، سودی تمسکات اور تجارتی بونڈ جیسے معاملات کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ اس کے برعکس اسلام ایک ایسے سماج کا داعی ہے۔ جس کے اندر "معیشت" کی اساس بے قید تعیش کی بجائے ضروریات کی جائز تکمیل اور باہمی اخوت و مواسات پر قائم ہے۔ اس لئے وہ نہ صرف اعتقادی تصور اور نظریہ کی بلکہ عملی نظام کی حد تک ایسے سماج کا تجربہ کراتا ہے جس میں سود کے بغیر ہی تمدنی ترقی زیادہ سے زیادہ بام عروج پر پہنچ سکتی ہے۔ اور خلافت راشدہ کے مقدس دور کے علاوہ اندلس اور بغداد کی ان خلافتوں کے زمانہ میں اس کا مشاہدہ ہو چکا ہے۔ جو صحیح اسلامی نظریۂ حکومت پر گامزن نہ ہونے کے باوجود "سود" کی حرمت پر عملاً متفق رہتے ہوئے ہر قسم کی تمدنی اور معاشی ترقیوں میں وقت کی تمام حکومتوں سے برتر رہیں۔

ربا قرآن حکیم اور مسئلہ سود میں " اضعافاً مضاعفۃ " کا معاملہ تو ابھی بصراحت یہ واضح کیا جا چکا ہے۔ کہ قرآن ایک لمحہ کے لئے بھی مطلق سود کی اباحت کو تسلیم نہیں کرتا اور اپنے اسلوب بیان کے لحاظ سے جس قدر شدید وعید سود خوار کے لئے بیان کرتا ہے۔ کسی گناہ پر اس قدر شدید وعید کا اظہار نہیں کرتا۔ فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ۔

قرآن نے اضعافاً مضاعفۃ (سود در سود) کو اول اس لئے منع کیا کہ زمانۂ جاہلیت میں جو رسم قبیح جاری تھی اس کا انسداد کیا جائے اور بعد میں مطلق سود کی حرمت کا اعلان فرما دیا ــــ " احل اللہ البیع وحرم الربوا " اس مقام پر " ربا " کو کسی شرط کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا۔ اور اس کی حرمت کو مطلق رکھا گیا ہے۔ لہٰذا قرآن کی نگاہ میں " سود " اور " ربا " کے درمیان مطلقاً کوئی فرق نہیں ہے۔ اور اس کی حرمت کے تحت میں انٹرسٹ اور یوژری دونوں داخل ہیں۔

مشہور مصری عالم عبدالرحمٰن الجزیری اپنی تالیف کتاب "الفقہ علی المذاہب الاربعۃ" میں اسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

> " بعض لوگوں نے یہ گمان باطل کر لیا ہے۔ کہ سود میں سے صرف " اضعافاً مضاعفۃ " ہی ربا حرام میں داخل ہے۔ جیسا کہ آل عمران کی آیت میں مذکور ہے " یا ایہا الذین امنوا لا تاکلوا الربا اضعافاً مضاعفۃ واتقوا اللہ لعلکم تفلحون " یہ گمان صریح غلطی پر مبنی ہے۔ اس لئے کہ آیت کریمہ کا مقصد تو درحقیقت سود خواری سے نفرت دلانا اور سود خوار کی نظر کو اس جانب پھیر دینا ہے۔ کہ تیرا یہ سودی معاملہ جو سود در سود کی شکل میں بڑھتا جا رہا ہے ایک دن مقروض کے کل مال کو مستغرق کر دے گا۔ اور ایک مدت گذرنے اور سود در سود کے مسلسل اضافہ ہوتے رہنے کا یہ نتیجہ نکلے گا کہ میدان فقیر، مفلس، تنگ دست اور بدحال ہو کر رہ جائے گا اور یہی سودی معاملہ دنیا میں اس کی بدحالی اور تنگی عافیت کا سبب بن جائے گا۔ اور اس فاسد معاملہ کا نظام عمرانی پر بہت ہی برا اور مضرت رساں اثر پڑے گا۔
>
> پس اس آیت کریمہ سے کوئی عقلمند اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ اللہ تعالےٰ نے تین گنا سود کھانے کو تو حرام کر دیا ہے۔ مگر دوگنا یا ایک گنا کھانے کی اجازت باقی رکھی ہے۔ علاوہ ازیں جب قرآن میں اللہ تعالیٰ کا یہ صریح ارشاد موجود ہے۔ " فان تبتم فلکم روس اموالکم " پس اگر تم اس سے توبہ کر دو تو تمہاری اصل پونجی تمہارے لئے ہے۔ ایسی صورت

میں ممکن نہیں کہ کوئی عاقل آیت کریمہ کا یہ مفہوم سمجھ سکے کہ مطلق سود کی تو اجازت ہے، البتہ سود در سود حرام کر دیا گیا ہے۔ (حصہ دوم معاملات صـ۲۲۲)

قرآن کہتا ہے۔ کہ حکیم مطلق نے ربح (نفع جائز) اور ربا (سود) کے درمیان بہت بڑا فرق رکھا ہے۔ اور وہ یہ کہ ربح میں نفع کا مدار بیع و شراء سے متعلق ہے۔ اور ربا میں تاخیر مال اور مدت میں اضافہ نفع کا باعث بنتا ہے۔ اور چونکہ بیع و شراء میں دونوں جانب سے تعاون کے معاوضہ اور حقیقی رضا کے ساتھ نفع کا وجود ثابت ہوتا ہے۔ تو اس لئے اس قسم کے نفع کو جائز قرار دیا جانا چاہیئے۔ واحل اللہ البیع۔ اور چونکہ قرضدار کی جانب سے ادائے قرض میں تاخیر اور قرض خواہ کی جانب سے تاخیر و اضافۂ مدت پر نفع کا حصول طرفین کی رضا اور باہمی تعاون سے نہیں بلکہ قرضدار کے اضطرار اور قرض خواہ کے بغیر عوض نفع اندوزی پر مبنی ہے۔ اس لئے اس کو بلا شبہ حرام ہونا چاہیئے۔ "محرم الربوا"

غرض ربح اور ربا کو ایک سمجھنا یا ربا اور سود کے درمیان فرق قائم کرنا قرآن کی نصوص قطعیہ کے خلاف ہے اور اسلام کے صالح معاشی نظام کی نگاہ میں جدید باطل نظام معاشی کی یہ روشنائی کہ انٹرسٹ "ربا" نہیں ہے۔ بلکہ صرف یوژری ہی ربا ہے۔ باطل اور فریب ہے۔ اس لئے کہ مذموم سرمایہ داری کے فروغ میں یہ دونوں یکساں ممد و معاون ہیں۔ ■■■

بقیہ: تجارت کے اصول بھی نہیں ہوسکتے کہ دوسروں کے دست نگر ہوں ——— آج عیسائیت پھیل رہی ہے تو یہ اسکی صداقت یا حقانیت کی وجہ سے نہیں بلکہ دولت کا زور ہے، کہ لاکھوں روپے اور حکومتیں مشنریوں کی پشت پر ہیں خدا کو منظور تھا کہ اسلام اپنی صداقتوں کی بناء پر غریبوں کے ذریعہ پھیلے ورنہ آج کہا جاتا کہ اسلام بھی حکومتوں اور دولت کے زور سے پھیلا ہے۔ یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ سچے تاجر کو انبیاء و صدیقین کی معیت حاصل ہوگی تو اس کی مثال ایسی ہے۔ کہ گاڑی میں فسٹ سیکنڈ، ایرکنڈیشنڈ، انٹر اور تھرڈ ہر قسم کے ڈبے الگ الگ ہوتے ہیں مگر جو بھی اس گاڑی میں سفر کر رہا ہے۔ سب اکٹھے منزل مقصود کو پہنچتے ہیں۔ ایسی معیت کی سعادت اور برکت وہاں بھی نصیب ہوگی گو درجات مختلف ہوں۔ غرض آپ لوگ زندگی کے جس شعبہ کو بھی اختیار کریں، تجارت ہو یا زراعت ملازمت ہو یا کوئی اور کام، اس کے بارہ میں دین سے ہدایت حاصل کریں خود عامل بنیں اور دنیا کو بتائیں کہ اسلامی تجارت اس طرح ہوتی ہے نہ وہ تجارت جو شیطانی طریقوں سے ملوث ہو اور نہ یورپ جیسی تجارت جس نے دنیا کو تباہی سے بے توازنی اور بدحالی میں مبتلا کر دیا ہے ——— وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ ●●

اسلام کا نظامِ اقتصادیات

جناب مولانا انوار الحق صاحب کاکاخیل فاضل دیوبند پروفیسر گورنمنٹ کالج پشاور

مولانا سید انوار الحق صاحب صابر کاکاخیل فاضل دیوبند کے اسلام کے اقتصادی نظام پر ذیل کے افادات انہوں نے پشاور یونیورسٹی سیمنار میں بمقام باڑہ گلی [illegible] اگست ۱۹۷۵ء کو پیش فرمائے۔ ادارہ ان کا ممنون ہے کہ انہوں نے اپنے فاضلانہ خیالات کو مرتب کر کے الحق میں ہمیں اشاعت کا موقع عطا فرمایا ——— "ادارہ"

وہ نظام جو مخصوص افراد و طبقات میں جمع دولت اور حصرِ دولت کے وجود کو فنا کرتا اور اکتناز و استکثار کی بنیادوں کو مٹاتا ہو۔ جو دنیا کی معاشی زندگی کے کارخانہ میں سرمایہ اور محنت کی کشمکش کو عمدہ طور سے حل کر سکے جس کا دائرۂ عمل ہمہ گیر اور عالمگیر ہو۔ جو دنیا کی اقتصادی ساکھ کو بحال کر کے عام خوشحالی اور مرفہ زندگی کا ضامن ہو اور جو ایسے طرزِ حکومت کا حامی ہو جس میں اعلیٰ و ادنیٰ کے لئے مساوی حقوق کا حکم دیا گیا ہو۔ ایسے ہی نظام کا دوسرا نام اسلامی اقتصادی نظام ہے۔

اسلام کا اقتصادی نظام وہ ہے جس میں ایران، فارس، سندھ، مکران، روم، مصر، شام، عراق اور سرزمین عرب کا گوشہ گوشہ کافی عرصہ امن و اطمینان اور خوشحالی کا گہوارہ تھا اور تمام ملک، شہر و آبادیاں ایسی درمیانی رفتار پر قائم تھیں کہ اختلافِ مدارج کے باوجود وہاں پر ہر متنفس کو چین و آرام حاصل تھا۔ یہاں تک کہ زکوٰۃ اور خیرات دینے والے جہت سے تھے مگر لینے والا ایک بھی میسر نہیں آتا تھا ———

گو میرا موضوعِ بحث اسلامی نظامِ معیشت ہے۔ تاہم چونکہ خود مسلمانوں کے اکثر طبقوں میں ایسے لوگ آج موجود ہیں جو مغربی فلسفۂ اقتصادیات اور روسی فلسفۂ اشتراکیت کو سراہتے

ہیں۔ اس لئے مجبوراً مجھے بھی اس موقع پر غیر اسلامی نظام ہائے معیشت کے چند گوشوں پر بحث کرنا ضروری ٹھہرا۔

دراصل ابھی ابھی ہماری تاریخ کا ایک ایسا مرحلہ وہ گزرا ہے جس میں باہر سے آکر کچھ مسافر یا کچھ سیاح نہیں بلکہ ایک فاتح قوم تقریباً دو سو سال تک حکمران رہ کر ہمیں اپنی ہر چیز سے نہ صرف ذہنی طور بلکہ مادی طور پر بھی مرعوب رکھا اور اس فاتح تہذیب نے ہماری کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر ہم پر ایسا ہمہ گیر اثر ڈالا جس کی گہرائی سے ہماری زندگی کا کوئی شعبہ نہ بچ سکا۔ انہوں نے جس طرح اپنی تعلیم ہم پر ایسی مسلط کی کہ رزق کی کنجیاں ہی لے کر اپنی تعلیم گاہوں کے دروازوں پر لٹکا دیں۔

ویسے ہی انہوں نے اپنا معاشی نظام اور اپنے معاشی فلسفے ہم پر ایسے مسلط کئے کہ بقول کسے ہم پہلے حرام خود بنے پھر رفتہ رفتہ ہمارے اذہان سے حرام و حلال کی تمیز جاتی رہی۔ اور اب خدا نخواستہ نوبت یہاں تک پہنچنے والی ہے کہ ہم میں سے بہت سے لوگوں کو اسلام کی ان تعلیمات ہی پر اعتقاد نہیں رہ سکے گا جو ان بہت سے طریقوں کو حرام قرار دیتی ہیں جنہیں مغرب کے قائم کئے ہوئے معاشی نظام نے حلال قرار دیا ہے۔

بہرکیف عرض یہ ہے کہ کائنات کے تمام اقتصادی نظام دو راستوں سے آتے ہیں۔ ایک دنیوی دوسرے مذہبی ——— دنیوی اعتبار سے آج دنیا دو بڑے کیمپوں میں بٹی ہوئی ہے۔ اور دنیا کی حکومتوں پر مختلف شکلوں میں دو ہی طرح کے نظاموں کا غلبہ ہے۔ ایک کیپٹل ازم دوسرا سوشلزم، یعنی سرمایہ دارانہ نظام فسطائیت اور کمیونسٹوں کی اشتراکیت۔

فاشیت کے دعویدار تمام ذرائع پیداوار افراد کے ہاتھوں میں دے کر انہیں اس طرح آزاد چھوڑ دیتے ہیں۔ کہ ان کا مفاد مخصوص افراد کے حق میں ثابت ہوتا ہے نہ کہ جماعت کی اکثریت کے حق میں اسی طرح ان کا اصول یہ بھی ہے۔ کہ پیداواری فائدے کے قاعدے پر ہو نہ کہ عوام کی ضروریات کے قاعدے کے اصول پر نیز ان مقاصد کو کامیاب بنانے کیلئے یہ لوگ ایسی حکومتوں کی طرح ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں جن میں قوانین کے ذریعے سرمایہ داری کی حفاظت اور ترقی کا سامان فراہم ہو سکے۔ فسطائیت کے بالمقابل اٹھارہویں صدی کے آخر ہی میں سوشلزم کے جس نظریہ نے جنم لیا اس کا دعویٰ یہ ہے کہ دولت اور ذرائع دولت سے انفرادی ملکیت کو مٹا دیا جائے بلحاظ معیشت اختلاف درجات کا انکار کیا جائے اور معاشی لحاظ سے بھی سوسائٹی میں مساوات تسلیم کی جائے ——— راہ دنیا سے آئے ہوئے نظام ہائے معاش کے علاوہ

مذہبی راہوں سے آمدہ نقطاموں کو لیجئے جب ہم مذاہب عالم میں سے بڑے بڑے مذاہب مثلاً نصرانیت، یہودیت، ویدک دھرم اور زرتشتی کو لیتے ہیں تو ان میں سے نصرانیت کی چار انجیلوں کی تعلیم کو بغور مطالعہ کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے۔ کہ عیسوی عقیدہ میں یہ بات نمایاں ہے۔ کہ وہ بار بار لوگوں کو رہبانیت اور جوگی پن کی تعلیم دیتا ہے اور ارباب دولت کے لئے خدا کی بادشاہت میں کوئی حصہ تسلیم نہیں کرتا گویا مسیحیت سرمایہ داری کو ناپسند کرتی ہے لیکن اقتصادی نظام کے نقطۂ نظر سے اس میں ترغیب و تلقین کے علاوہ کوئی قانونی اور عملی نقشہ ایسا موجود نہیں جس سے ایک دیندار شخص صحیح دنیادار بن کر جامع زندگی کا مفید جزبن سکے۔

ویدک مذہب میں بھی دولت مندوں کے بےجا مظالم کے خلاف بعض چند پند و نصائح تو ملتے ہیں۔ لیکن اقتصادی نظام کے لئے احکام و قوانین کی دفعات کی شکل میں وہاں بھی کچھ نظر نہیں آتا۔ بلکہ منو جی کے قانون میں ایک حد تک سود کی اجازت اور وراثت میں تقسیم دولت کی بجائے مشترک خاندان کے نام سے جمع دولت کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے۔ کہ درپردہ وہاں بھی سرمایہ داری ہی کو دھرم کی پناہ مل جاتی ہے۔

زرتشتی تعلیم کی الہامی کتابوں ژند اور اوستا کے پڑھنے سے بھی اس سلسلے میں مایوسی ہوتی ہے۔ کیونکہ وہاں بھی صرف ظالمانہ طریقوں پر حصول دولت کی ہجو اور مذمت پر اکتفا کیا گیا ہے۔

حضرات! اگر آپ میرا ساتھ دیں تو میں عرض کروں گا کہ جس طرح مٹی کا کھلونا کبھی کمہار کی برابری نہیں کر سکتا اسی طرح یہ بھی ناممکن ہے کہ خالق کائنات کے بتلائے ہوئے مقررہ صحیح اسلامی نظام کے علاوہ دوسرا کوئی شخصی نظامِ معیشت انسانی زندگی کو کامیاب اور آسان بنا سکے۔

گو آج سرزمین مغرب پر مذہب کا وجود صرف نمود اور نمائش کے لئے رہ گیا ہے۔ اور وہاں کے عوام و خواص کو مذہب کے نام سے انتہائی نفرت ہونے لگی ہے۔ لیکن انہوں نے آج جو بھی مفید قاعدے بنائے ہیں۔ وہ کم و بیش اپنی ابتدائی شکل میں وہی ہیں جو اس سے پہلے مختلف مذہبی پیشواؤں کی زبان سے سنے جا چکے ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے۔ کہ مذہب کے نام سے بدکنے والی قوموں نے اب ان کا نام مذہبی احکام کے بجائے ملکی یا اخلاقی قانون رکھ دیا ہے۔ حالانکہ در اصل ان بعض صحیح اخلاقی اور ملکی قوانین میں ایک چیز بھی ایسی نہیں جو بنی نوع انسان کے لئے مفید ہو اور اسکی تعلیم کسی نہ کسی مذہب میں نہ پائی جاتی ہو۔

اگر ہم یہ مانتے ہیں کہ خدا ہے۔ اور اگر ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ وہ مادہ کی طرح کوئی بے شعور اور

مجبور چیز نہیں ، بلکہ صاحب ارادہ ، صاحب قوت اور ذی شعور ہستی ہے۔ تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنی بہترین مخلوق یعنی بنی نوع انسان کو جسے اس نے عقل اور ارادہ کی قوتیں دی ہیں۔ اسی طرح بے علمی اور جہالت کی حالت میں چھوڑ تا کہ جانوروں کی طرح اپنی زندگی کے دن دنیا میں پورے کر لیا کریں۔ ابتدائے آفرینش سے برابر وقتاً فوقتاً اللہ نے ایسی ہستیوں کو اس دنیا میں پیدا کیا۔ جن کے دل اسکی صداقت اور وحدانیت سے معمور ہوئے تھے۔ اور جو اپنی تعلیم کے ذریعے سے ہزاروں اور لاکھوں بندگانِ خدا کو سیدھا اور سچا راستہ بتاتے رہتے تھے۔ لیکن اس قسم کی بہت سی تعلیمات تو انسان کی غفلت شعاری کی بھینٹ چڑھ کر فنا ہو گئیں۔ اور بہت سی جو اب تک انجیل ، تورات ، اور وید وغیرہ کی شکل میں باقی نظر آتی ہیں۔ ان کا بھی بڑی حد تک صرف ایک نام ہی نام رہ گیا اور وہ سب انسانی تصرفات کی اس طرح شکار ہو گئیں کہ ان میں آج جو تعلیم موجود ہے۔ اس کے متعلق یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ بالکل وہی ہے ، جو خدا کی طرف سے نازل ہوئی تھی ــــــ

مذہبی راہوں سے آمدہ نظام ہائے معیشت میں سے آج صرف اسلام (جو خدائی اور الہامی مذہب کی آخری کڑی ہے) کا پیش کردہ اقتصادی نظام ایسا ہے جو اس سلسلہ میں خدا کی طرف سے آئی ہوئی تعلیمات کی تکمیل کرتا ہے۔ معیشت کے بارے میں جو قواعد مذہب اسلام میں پائے جاتے ہیں۔ وہ بے حد جامع اور مانع ہیں اور ہمارا دعویٰ ہے۔ کہ کوئی انسانی عقل بھی اس سلسلہ میں اسلام سے بہتر اصول پیش نہیں کر سکتی ــــــ (باقی آئندہ)

ہمارے معاونین

پچھلے ماہ کئی احباب نے الحق کی اشاعت میں حصہ لیا ، خاص طور سے نوشہرہ چھاؤنی سے مولانا عابد خان صاحب نے دس اور جناب سلیمان صاحب و حافظ حبیب الرحمن صاحب وغیرہ نے بیس حضرات کا چندہ ارسال فرمایا۔ اسی طرح مولانا فخرالدین صاحب انگلینڈ اور دیگر کئی احباب نے مزید خریدار مہیا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اجر عظا فرمادے ہم اپنے تمام قارئین اور مخلص احباب سے پر زور گذارش کرتے ہیں کہ وہ اپنے حلقہ رسوخ میں الحق کی اشاعت کی طرف توجہ دیں اور اس کے خریدار مہیا فرمادیں تاکہ یہ آواز حق پھلے پھولے اور دین حق کی بیش از بیش خدمت کر سکے۔ اس دور الحاد میں جبکہ دینی صحافت مسلمانوں کی بے رخی اور گوناگوں مشکلات کی شکار ہے ، الحق جیسے خالص دینی پرچے کے استحکام اور ترقی کیلئے باہمی تعاون ضروری ہے۔

حضرت مولانا عبدالرحمان کاملپوریؒ

ایک جامع صفات شخصیت

از مولانا محمد وجیہ مدرس دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار

ان کاملین میں سے جو وراثت نبوت کے حامل اور جامع الصفات ہوتے ہیں، ہمارے استاد بلکہ استاد کل اور شیخ کامل حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب کاملپوری نور اللہ مرقدہٗ بھی ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ یا تعارف ایسا ہی ہے جیسے سورج کے سامنے ایک مدہم چراغ حضرت کی ذات ستودہ صفات کے کمالات کا بیان کرنا اہل مقام ہی کا کام ہے۔ نہ کہ گمنام بے مقام کا۔ حضرت کی شخصیت ایسی معروف و مشہور ہے۔ کہ اکناف عالم ہند و پاکستان بہار و افغانستان ترکی و ایران شام و عراق مصر و حجاز سب جگہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ اور تلامذۃ التلامذہ علمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا چشمہ فیض مدت طویلہ تک مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور میں جاری رہا۔ پاکستان بننے کے بعد ملتان خیر المدارس میں پھر ٹنڈو الہ یار کے دار العلوم الاسلامیہ اور اکوڑہ خٹک جامعہ اسلامیہ میں صدر مدرسی پر فائز رہے۔ ساتھ ہی ساتھ تربیت و اصلاح خلق و تزکیہ باطن کی خدمات بھی انجام دیتے رہے۔ خود حضرت رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا شیخ الہند محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا شاہ انور صاحب نور اللہ مرقدہٗ جیسے علم کے سمندروں سے سیراب ہو کر سمندر بنے اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے تربیت تصوف حاصل کر کے امام تصوف بنے ——— اللہ تعالیٰ نے وہبی اور کسبی دو قسم کے کمالات سے متصف فرمایا تھا۔ باقاعدہ مقامات تصوف طے کرنے سے پہلے ہی صاحب مقام تھے۔ ملکات فاضلہ اور اخلاق حمیدہ سے

آراستہ اور اخلاق رذیلہ اور صفات ذمیمہ سے دور افتادہ اللہ تعالیٰ نے مادر زاد ولی بنایا تھا۔ حلم و بردباری کے پہاڑ تھے۔ تواضع و انکساری خاص طرۂ امتیاز تھا۔ سب کچھ ہونے کے بعد کچھ نہ سمجھنا خاص شعار تھا۔ غیبت و طعنہ زنی سے کوسوں دور اور کم سخنی و قلت کلام حضرت کا خاص حلیہ تھا۔ حرص و طمع کی نسبت سے منزہ ملاطفت اور رفق کی زینت سے مزین اور رسوخ صفات کی دولت سے آراستہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے جبکہ حضرت تیسرا سال ہے کہ کراچی تشریف لائے تو اپنے مدرسہ میں تشریف لے جانے کی دعوت دی اس وقت حضرت مفتی صاحب نے ایک جلسہ میں حضرت کی صفت بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کے انتقال کے بعد ہم سب میں تغیر آیا زمانہ کے حالات سے متاثر ہوئے مگر حضرت مولانا کا کمال ہے کہ حضرت مولانا میں تغیر نہیں آیا۔ حضرت میں مخدوم ہوتے ہوئے شان مخدومیت سے اجتناب کلی تھا۔۔۔۔

مہمان نوازی کا خاص جذبہ، حتیٰ کہ اعلیٰ سے اعلیٰ طریق سے مہمان نوازی کے بعد بھی اس کو کم سمجھ کر معذرت فرماتے تھے۔ یہ معاملہ صرف مشہورین کے ساتھ نہیں بلکہ اپنے خدام اور متعلقین کے ساتھ بھی تھا۔ مہمانوں کو دور تک رخصت کرنا یہ سب باتیں آنکھوں دیکھی اور تجربہ کثیرہ کے ساتھ متعلق ہیں۔ بارہا اس ناچیز کو خدمت اقدس میں حاضری کا اتفاق ہوا ایسا معاملہ باوجود اس احقر کی نااہلی کے فرماتے کہ احقر شرم کی وجہ سے زمین میں گڑ جاتا۔ کھانے کا اعلیٰ انتظام تمام ضرورتوں کا خاص اہتمام ایسی خدمت فرماتے کہ آدمی اس کے تصور سے بھی پانی پانی ہو جاتا ہے۔ متعدد مرتبہ دولت خانہ پہ حاضری ہوئی ہر مرتبہ عجیب و نرالا برتاؤ دیکھا حضرت کی تربیت خاص کا گھر والوں پر بھی ایسا اثر تھا کہ ان کو بغیر خدمت کے چین نہ آتا تھا۔ تعجب ہوگا ذرہ نوازی کا یہ حال کہ مہمان کے کپڑے دھلنے تک کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔ اپنے اوپر گزری ہوئی سناتا ہوں کہ کئی مرتبہ وہاں پہ کپڑے بدلنے کا اتفاق ہوا۔ اتارے ہوئے کپڑے اصرار سے وصول فرما کر اندر دھلواتے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ ایک مرتبہ احقر نے کپڑے اتار کر سامنے کسی جگہ نہ رکھے بلکہ بستر میں پوشیدہ کر دئیے۔ حضرت کو جب کپڑے بدلنے کا پتہ چلا جب احقر مسجد چلا گیا۔ بستر میں سے کپڑے لے کر اندر دھونے کے لئے دے دئیے۔ احقر حضرت کی اس ذرہ نوازی اور کرم گستری دیکھ کر پانی پانی ہو گیا مگر دم مارنے کی اس ناچیز کو کہاں گنجائش تھی ایک مرتبہ حضرت کے اکوڑہ خٹک کے قیام کے دوران احقر کا اکوڑہ میں حاضری کا اتفاق ہوا، ذرہ نوازی میں کوئی حد نہ چھوڑی۔ حتیٰ کہ اسٹیشن تک رخصت کرنے کے لئے

تشریف لاتے اور جب تک گاڑی نہ چھوٹی واپس تشریف نہیں لے گئے۔ حضرت کو اخلاق کے
جس شعبہ میں دیکھا کامل اور نرالا پایا ۔۔۔

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم — کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کاملپوری کیا کامل پورے ہیں۔ کیسی جامع تعریف جامع
الفاظ میں فرمائی۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے احقر کو بچپن ہی سے تعارف حاصل تھا۔ ایک مرتبہ احقر کے
وطن ٹانڈہ میں بسلسلہ جلسہ والد صاحب کی دعوت پر اہل علم وفضل کا اجتماع ہوا اس وقت احقر کی عمر
۹، ۱۰ سال کی تھی۔ شوق پیدا ہوا کہ یہ معلوم کیا جائے کہ ان حضرات میں بڑے کون ہیں، والد صاحب
اور دیگر بعض حضرات سے دریافت کیا تو سب نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو مشارالیہ بالبنان بتایا۔
گو حضرت کے چہرہ مبارک کی نورانیت اس کی غمازی کر رہی تھی، چونکہ زیادہ شعور نہ تھا اس لئے جیسا
بتلایا گیا ویسا ہی پر علم اجمالی رکھا اللہ تعالیٰ نے کچھ زمانہ کے بعد سہارنپور بسلسلہ تعلیم حاضر ہونے کا موقع
عنایت فرمایا حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے احقر نے بیعت کی درخواست کی حضرت تھانوی
رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مجازین میں سے کسی ایک سے اصلاحی تعلق کی شرط کے ساتھ درخواست
کو منظور فرمایا۔ چنانچہ احقر نے دوسرے اکابر سے مشورہ کے بعد حضرت کو تعلق کے لئے منتخب
کیا لہٰذا یہاں سے اصلاحی تعلق حضرت سے شروع ہوا۔

اسی اثناء میں حضرت سے شرف تلمذ حاصل ہوا۔ تین سال تک مختلف علوم وفنون، منطق،
فلسفہ اصول فقہ کی اعلیٰ کتب اور خصوصیت سے علم حدیث میں فیض حاصل کیا۔ لہٰذا دونوں قسم کا
تعلق یعنی اصلاح باطن اور علم ظاہر کا قائم ہوا۔ پہلے اجمالی علم و تعارف کے بعد اب تفصیلی طور سے
فیض یاب ہونے اور کمالات کے معلوم کرنے کا موقع ملا۔ ہر فن میں حضرت کو امام پایا ہر خاص وعام
کو اس دریا سے سیراب ہوتے دیکھا حضرات مدرسین کو اپنے اشکالات کو حل کراتے دیکھا۔ اور
حضرات مصنفین کو اپنی تصنیفات میں اصلاح کراتے دیکھا، درس میں عجیب وغریب کیفیت پائی۔
چٹکیوں اور چند الفاظ میں بڑے بڑے اشکالات کو حل ہوتے دیکھا، تقریر میں وہ جامعیت اور
کمال کہ کسی کو شرح یا حاشیہ سے کوئی اشکال کرنے کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی تھی۔ عدم تدبر کی وجہ سے
اگر کوئی اشکال کر بیٹھتا تو اسی مجلس میں اسکو اپنے قصور فہم اور قلت تدبر کا اقرار کرنا پڑتا تھا۔ اگر وسعت
اور تفصیل زائد کو حاصل کرنے کے لئے کوئی مسئلہ کا زیادہ بسط چاہتا تو بغیر پس وپیش کے مزید معلومات

نادرہ کا دریا موجیں مارنے لگتا تھا۔ یوں تو ہر علم میں کمال حاصل تھا کہ اساتذہ اپنے اسباق کے درمیان اشکال پیش آنے پر فوراً خدمت میں حاضر ہو کر ہر فن میں اشکال حل کر کے اپنے تلامذہ کو مطمئن کرتے تھے۔ مگر خصوصیت سے علم حدیث میں بحرِ زخار نظر آتے تھے۔ فقہ کے جزئیات پر بہت تفصیلی نظر تھی جو وردِ زبان تھے۔ اور اصول کا پورا استحضار حاصل تھا۔

حدیث میں بڑا جامع کلام ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ اگر کوئی اور مزید تفصیل چاہتا تو اس وقت عجیب دلکش منظر ہوتا تھا اور مزید علوم کا جو دہانہ کھلتا اور نقول کا جو روانی سے بیان ہوتا اور حوالوں پر حوالے پیش فرماتے اور برجستہ ان حوالوں کے دکھلانے کا جو سلسلہ شروع ہوتا ہر شخص حیرت سے انگشت بدنداں ہوتا تھا۔ مقامات حوالہ کا ایسا استحضار کہ جب کتاب کھولتے تو مقام مطلوب ہی سامنے ہوتا تھا۔

جیسا کہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم چاہا کرتے تھے کہ کوئی اچھا سوال کرنے والا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کرے اور ہم جوابات کو سنیں اسی طرح حضرت کے درس میں ہم بھی یہی چاہا کرتے تھے کہ کوئی سلیقہ سے سوال کرنے والا سوال کرے اور ہم کو زیادہ سے زیادہ عجیب عجیب علوم حاصل ہوں۔ حضرت کے علو مقام اور بلند شخصیت کو وہی لوگ زیادہ سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے ان کی شانِ درس کو دیکھا ہو اور باطنی فیض کو حاصل کیا ہو اور پورے طور سے سمجھنا تو اہل مقام ہی کا کام ہے۔ اور اہل کمال ہی ان کے کمال کو سمجھ سکتے ہیں۔ اور روحانی علو مقام کو معلوم کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت کو جس طرح کمالاتِ باطنی علمی عملی عطا فرمائے تھے جسمانی جمال بھی عطا فرمایا تھا چہرہ میں عجیب کشش تھی انوار کی بارش ہوتی نظر آتی تھی۔ دیکھنے سے خاص انس ہوتا تھا۔

مردِ حقانی کی پیشانی کا نور کب چھپا رہتا ہے پیشِ ذی شعور

زمانہ قیام سہارنپور سے حضرت سے برابر وابستگی رہی اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلہ بیعت بھی ہو گیا اور برابر اصلاحی امور میں حضرت کی رہبری حاصل رہی اور ہر مقام پر ہر مرض کے علاج میں مشکلات کو حل فرمایا اور حضرت ہی کی بدولت اپنے عیوب پر تفصیلی نظر ہوتی اور ان کے تفصیلی علاج معلوم ہوتے اور ان پر عمل کرنے کی سعی کی حضرت کی تعلیمات سے وہ جو فیض یابی ہوتی۔ افسوس ہے کہ احقر اپنی نالائقی کی وجہ سے ایسے چشمہ فیض سے پورا متمتع ہونے سے قاصر رہا۔ بہر حال اسی طرح چشمۂ فیض جاری تھا اور ایک بڑی مخلوق اس چشمۂ علم و ہدایت سے سیراب ہو کر اپنی تشنگی بجھا رہی تھی اور حضرت کے وجودِ مسعود کو اپنے لئے ایک نعمتِ عظمیٰ سمجھ رہے تھے۔ کہ اچانک ۲۱ شعبان ۱۳۸۵ھ کو حضرت کی علالت کی خبر برادرم محترم مولانا حافظ قاری سعید الرحمٰن صاحب

خلف الرشید حضرت مولانا صاحب کے خط سے بواسطہ مولانا عبدالحمید صاحب کے موصول ہوئی جس سے قلب بے چین ہو گیا اور شدتِ مرض کی خبر سے اور بھی بیقراری بڑھ گئی۔ کسی طرح اس خبر کے بعد سکون حاصل نہ ہوا دوسرے ہی دن ۲۲ر شعبان کو راولپنڈی روانہ ہو کر ۲۳ر شعبان بروز جمعہ راولپنڈی پہنچا۔ ہسپتال میں حضرت کی خدمت میں حاضری ہوئی۔ مرض کی شدت دیکھ کر رنج والم اضطراب و بیقراری کی کوئی انتہا نہ رہی وہ زبان جس سے علم گتھیاں سلجھتی تھیں، حدیث و تفسیر کے مسائل حل ہوتے تھے اور تصوف کے حقائق و دقائق روشن ہوتے تھے بند تھی، کلام نہ فرما سکتے تھے۔ اس حالت کو دیکھ کر کیا کچھ قلب پر گذری ہو گی اس ہر سمجھنے والا سمجھ سکتا ہے۔ اللہ کی مرضی اور فیصلہ میں کون دم مار سکتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ حضرت کی کرامت دیکھئے کہ زبان کے بند ہونے کے باوجود اللہ اللہ کی آواز آتی تھی اور کئی مرتبہ صاف الفاظ میں لا الہ الا اللہ بھی سنائی دیا جس کو احقر اور بعض احباب نے سنا۔

بہرحال حضرت کے لئے دوا اور دعا کا سلسلہ جاری تھا۔ معمولی سا افاقہ شروع میں معلوم ہوا مگر بعد میں وہی حال ہوا کسی نے کہا ہے: مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی، احقر نے وہیں قیام کیا خدمت میں حاضر رہ کر چہرۂ انور کی زیارت ہی کرتے رہے۔ حتیٰ کہ ۲۷ر شعبان منگل کی رات میں حضرت کے مرض میں انتہائی شدت رہی۔ پوری رات انتہائی اضطراب اور بیقراری میں گذری ہر شخص حضرت کی اس تکلیف پر پریشان، کوئی گریہ میں مبتلا اور کسی کا چہرہ اداس اور فکرمند تھا۔ ڈاکٹر برابر آجا رہے تھے۔ ایک حکیم صاحب صبح ہی کو مایوسی ظاہر کر چکے تھے۔ ڈاکٹروں نے بھی کوئی امید افزا بات نہیں کہی اور اطمینان ظاہر نہیں کیا بالآخر یہ تجویز ہوا کہ گھر ہی واپس لے جایا جائے۔ چنانچہ گاڑی کا انتظام کیا گیا۔ اس میں جناب مولانا سعیدالرحمن صاحب کی معیت میں احقر اور جناب اختر حسن صاحب سیکشن آفیسر اور مولوی عبدالجلیل پسر مولانا عبدالقدیم صاحب سوار ہوئے حضرت کی حالت نازک ہو چکی تھی۔ احقر برابر میں بیٹھا ہوا یٰسین شریف پڑھتا جا رہا تھا۔ راستہ میں عصر کی نماز پڑھی پھر آگے چلے نزاکت حد درجہ بڑھ چکی تھی۔ گاڑی کو آہستہ کر لیا تھا کہ آخری سانس آنے لگے۔ گاڑی کو روکا کر نبض کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ آفتاب علم و ہدایت غروب ہو چکا اور داغِ مفارقت دے چکے ہے

گھڑی وعدے کی جس دم آن پہنچے ٹل نہیں سکتی ۔ خدا کے حکم کے آگے کسی کی چل نہیں سکتی

انا للہ وانا الیہ راجعون، للہ ما اخذ وما اعطی۔ اے اللہ تعالیٰ اس پاک طینت پاک سیرت

(باقی صفحہ پر)

نئی ذمہ داریاں

نئے تقاضے

طلبہ دار العلوم حقانیہ سے جناب مولانا کوثر نیازی کا خطاب

مورخہ ۲ جولائی ۱۹۶۶ء کو لاہور کے جناب مولانا کوثر نیازی (مدیر شہاب لاہور) دار العلوم تشریف لائے۔ دار العلوم میں قیام کے دوران تعلیمی اور انتظامی شعبے اور تعمیراتی کام دیکھ کر بے حد محظوظ و مسرور ہوئے۔ بعد از نماز عصر جامع مسجد دار العلوم کے وسیع صحن میں طلبہ دار العلوم کی طرف سے انہیں سپاسنامہ پیش کیا گیا جس کے جواب میں مولانا موصوف نے ذیل کا خطاب فرمایا جو مولانا کی گہری بصیرت، تجربہ اور دینی و فکری پختگی کا غماز ہے۔ تجدید دین کے نام پر دین میں جدت طرازی کرنے والوں کے بارہ میں مولانا کے ارشادات ایک ایسے آزمودہ کار کے خیالات ہیں جو خود کافی عرصہ صاحب البیت رہا ہے ——— (ادارہ)

مجھے آج دار العلوم میں آنے کا موقع ملا۔ یہ میری بہت بڑی سعادت ہے۔ اور آج میری دیرینہ آرزو پوری ہوئی۔ میں سالہا سال سے آپ کے دار العلوم اور حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم کی عظیم شخصیت سے متاثر ہوں، اور وہ خدمات جلیلہ جو حضرت مولانا اور یہ ادارہ دین حق کی بجا لا رہا ہے شروع سے اس کا قدردان ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو زمانہ جا رہا ہے، اور جس طرح حالات سنگین گمبھیر ہو رہے ہیں۔ اور دین حق کو فتنوں کا جو سامنا ہے۔ ان میں ایسی بزرگ ہستیاں مغتنمات زمانہ میں سے ہیں۔ اور کبھی کبھی خیال آتا ہے کہ جب یہ لوگ بھی نہ رہے تو ہمارا کیا بنے گا۔ وہ جو شاعر نے کہا تھا، حضرت شیخ الحدیث کا وجود مسعود بھی ان میں سے سمجھتا ہوں کہ ؎

ہمارے بعد اندھیرا رہے گا ——— بہت چراغ جلاؤ گے روشنی کیلئے

میرے بارہ میں جو ذرہ نوازی آپ لوگوں نے فرمائی، بغیر تصنع اور بناوٹ کے کہتا ہوں۔ کہ میرے اندر ان خصوصیات کا سینکڑواں بلکہ ہزارواں حصہ بھی موجود نہیں۔ علماء ربانیین کا ادنیٰ خادم اور ان کے خاک قدم کو سرمۂ چشم بصیرت اور تجلیات کا باعث سمجھتا ہوں۔ اگر کوئی متاع اور اندوختہ میرے پاس ہے تو یہی ہے۔ میں کچھ تقریر کا ارادہ نہیں رکھتا۔ آپ اہل علم ہیں۔ میں خود آپ سے

سیکھنے آیا ہوں، بس ایک رشتہ کی بنا پر کہ میں ایک ادنیٰ طالب علم ہوں ——— کچھ باتیں جو میں نے جدید علاقوں میں بیٹھ کر اور شہری زندگی میں رہ کر محسوس کی ہیں، عرض کرتا ہوں، خدا کرے کہ آپ حضرات آئندہ زندگی میں اسے ملحوظ خاطر رکھیں ——— پہلی بات یہ ہے کہ آپ پر اللہ نے بڑا فضل و کرم کیا ہے۔ آپ اپنے مقام کا شعور کریں۔ اکثر علوم دینیہ کے طالب علم احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں کہ ؎

یاران تیز گام نے محمل کو جا لیا　　　ہم محو نالۂ جرس کارواں رہے

مقام اور منزلت

ان کا خیال ہوتا ہے کہ دنیا نے ترقی کی شہرت عزت دولت پائی اور ہم ان لوگوں سے فرو تر ہیں۔ بحیثیت جماعت اور ادارہ اور آپ کے اس نسبت دینی کے عرض کرتا ہوں۔ کہ آپ کو احساس کمتری میں کبھی مبتلا نہ ہونا چاہیئے۔ اللہ نے آپ پر اتنا بڑا کرم فرمایا کہ جو علوم اللہ اور رسول صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار اور ہمارے آئمہ سلف کی وراثت ہیں۔ ان کے حصول کا شرف خدا نے آپ کو عطا فرمایا۔ اور آپ کو تخصیص کا درجہ دیا۔ یہ زمانہ جو گذر رہا ہے۔ اس میں ترک دنیا کی مذمت کی ضرورت نہیں۔ کبھی ضرورت تھی جبکہ تقویٰ اور دین کا دور دورہ تھا۔ اور لوگ چاہتے تھے۔ کہ دنیا کے علائق سے الگ ہو کر عبادت کے لئے گوشہ گیر ہو جائیں۔ مگر اب مادیت اور مادہ پرستی کا دور دورہ ہے ——— یہ ڈیڑھ بالشت پیٹ سارے جہاں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ماضی اور مستقبل کا سارا جائزہ پیٹ کے لئے لیا جا رہا ہے۔ روپیہ پیسہ اور عیش و عشرت لوگوں کا منتہائے مقصود بنا ہوا ہے۔ غرض سارے عالم میں فساد اس طلب دنیا کے لئے ہے۔ اور یہی وہ رجحان تھا جس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا۔ کہ ہر امت کے لئے ایک فتنہ ہوتا ہے۔ اور میری امت کے لئے فتنہ دنیا ہے ——— دنیا تو ہر زمانہ میں پر کشش رہی۔ مگر جو رعنائی، زیبائی، کشش، اس کے اندر اس زمانہ میں پیدا ہوئی وہ پہلے نہیں تھی۔ پہلے زمانہ میں لوگوں کو ان سواریوں کا تصور نہیں تھا، جو آج میسر ہیں۔ ماکولات و مشروبات اسی طرح لباس میں وہ تنوع اور رنگا رنگی نہیں تھی جو آج کے مادہ پرست دور میں ہے۔ غرض یہ مال جس طرح آج باعث آزمائش ہے پہلے نہیں تھا۔ مال و دولت آج کا سب سے بڑا فتنہ ہے اور ترک دنیا اور رہبانیت کا خطرہ بہت کم ہے۔

آپ یہ خیال نہ کریں کہ دنیا عزت اور اقتدار لئے جا رہی ہے۔ آپ کو اللہ نے دنیا طلبی سے محفوظ رکھا۔ قناعت کا جذبہ اور زندگی عطا فرمائی اپنے اور رسول کریمؐ کے علوم کا وارث بنایا۔ اس سے

بڑی عزت اور کیا ہو سکتی ہے۔؟ لوگوں کے پاس جو اقتدار ہے وہ زوال پذیر اور پانی کے بلبلہ کی مانند ہے۔ کل جو کرسی پر تھے آج ان کا نام لینا بھی جرم اور داخل دشنام ہو چکا ہے۔ ان کا حکم صرف جسموں پر چلتا ہے۔ دلوں پر نہیں۔ آپ کا حکم اس زمانہ میں بھی جسموں پر نہیں بلکہ دلوں پر چلتا ہے۔ اصل دولت دولت آخرت ہے۔ اور اس دولت کے مقابلہ میں دنیا کی نسبت یہ ہے جیسے کوئی بہتے ہوئے سمندر میں انگلی ڈال دے، اور کچھ تری اس کی انگلی پر لگ جاوے۔ آپ کی مثال تو بحر مواج کی مانند ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

——— آپ اس شعور کو تازہ رکھ کر اس دارالعلوم سے فارغ ہوں ———

میں نے آج کے مختصر قیام کے دوران جو کچھ دارالعلوم میں دیکھا، جو سنا تھا اس سے بڑھ کر پایا اور میں نے جو جائزہ لیا، اس بناء پر کہتا ہوں کہ مستقبل قریب میں انشاء اللہ یہ دارالعلوم پاکستان میں وہ حیثیت حاصل کرے گا، جو برصغیر پاک و ہند میں دارالعلوم دیوبند کا ہے۔

اس لحاظ سے یہاں سے فارغ ہونے والوں کی ذمہ داری اور بھی نازک ہوگی، جب آپ یہاں سے نکلیں تو آپ کے علم کے ثمرات لوگوں پر منکشف ہونے چاہئیں جس کے لئے اہم اور پہلی بات یہ ہے کہ زمانہ کی نزاکت کا خیال رکھیں۔ یہ زمانہ نازک مسائل کا ہے۔ یہ زمانہ الحاد اور دہریت میں مبتلا ہے۔ وہ نزاعی مسائل جو اصل کی حیثیت نہیں رکھتے، قابلِ التفات نہیں۔ وسیع ماحول کو پیشِ نظر رکھئے۔ آج لوگوں کو خدا، رسالت، ایمان بالغیب، اور آخرت جیسی باتیں سمجھانی ہیں۔ وہ مسائل جو جدید معاشی نظام کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں، غربت اور افلاس، بے چینی اور اضطراب بڑھ رہا ہے۔ لوگ متلاشی ہیں کہ کوئی ایسا مکمل اور صحیح نظام ان کے سامنے رکھ دیا جائے جن میں ان مسائل اور مشکلات کا حل ہو۔ وقت کے پیٹ سے جو مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ تصویر، بینکنگ، عطیہ خون اور سرجری اور خدا جانے کیا کیا مسائل ہیں، جن کے حل کے لئے ذہنی افق کو وسیع کرنا ہوگا۔

زمانہ کی نزاکت کا خیال رکھیں !

دارالعلوم سے نکلنے کے بعد آپ کو ہر طرف سے ایسے فتنوں کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ جو بظاہر بڑی دلآویزی رکھتے ہیں، خوبصورت انداز تبلیغ اور بلند بانگ دعاوی ہوں گے، قسم قسم کی کتابوں اور رسائل سے آپ کو متاثر کرنا چاہیں گے، ان کی انداز گفتگو، چال ڈھال غرض ہر چیز ابتلاء اور آزمائش والی ہوگی۔ مگر اسکی حیثیت اس چونہ گچ قبر کی ہوگی جس کے اندر کا مردہ کافر ہو اور باہر سے آرائش و زیبائش کیا گیا ہو۔ میں اپنے

دلآویز فتنے اور تجدید دین کے علمبردار

طویل تجربات کی بنیاد پر کہتا ہوں کہ تمام صلاح فلاح صرف اور صرف سلف صالحین کے اتباع میں ہے۔
اسلام سائنس نہیں کہ اس میں طرح طرح کی اختراعات اور ایجادات کئے جائیں۔ سائنس کی دنیا میں تو ایسے والے قابل تعریف ہیں۔ اور لوگ اس پر واہ واہ کر سکتے ہیں، مگر اسلام میں اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ یہ چیز آج میں نے پہلی بار پیش کی، اسلاف سے بھی ایسا کام نہ ہو سکا تھا۔ تو ایسا کہنے والا شخص گمراہ ہے۔ اسلام اتنا قدیم اور پرانا ہے جس طرح آدم علیہ السلام اور جس طرح یہ چاند یہ سورج یہ ہوا اور یہ دنیا پرانی ہے۔ اور جس طرح پرانی ہونے کے باوجود یہ چیزیں آج بھی زندگی کا سرچشمہ ہیں اس طرح اسلام ہزاروں سال کے باوجود آج بھی ہزاروں جدتوں کا حامل ہے۔ اس کے بارہ میں کسی بلند بانگ دعوے والوں کی طرف ہرگز التفات نہ کیجئے۔ بلاشبہ کار تجدید واحیائے دین اسلام میں ہوتا رہا ہے۔ اور ہر دور میں مجددین پیدا ہوتے رہے مگر اس کی حیثیت جدت طرازی کی ہرگز نہ تھی۔ مجددین امت نے پرانی صداقتوں کو نئے اسلوب اور وقت کے انداز بیان میں ڈھال کر پیش کیا مگر جو شخص خود یہ دعویٰ کرے کہ یہ باتیں صدیوں کے بعد پہلی بار پیش کی جا رہی ہیں۔ تو سمجھئے کہ یہ شخص ملت کی کشتی کو منجدھار کی طرف لے جا رہا ہے۔ گویا اسے باہر نکال کے اتحاد اسلامی کو پارہ پارہ کرنے کیلئے وہ تحزب اور تفرق جس میں حق کو اپنے اندر محدود کر لیا جائے۔ اور یہ کہا جائے کہ اصل اسلام اگر ہے۔ تو ہم ہی میں ہے۔ اور اصل اسلام کا کام تو صرف ہم ہی کر رہے ہیں۔ اور ساری صلاح و فلاح ہم ہی میں محدود ہے۔ اور صالحین امت اور مجددین امت نے اگر جماعت اور تنظیم نہیں بنائی تو غلط کیا ـــــ تو ان لوگوں کا یہ تحزب ملت اور دین کی بربادی کا باعث ہے۔ میں وثوق سے کہتا ہوں کہ پوری تاریخ میں مجدد نے کبھی اقتدار حاصل کرنے کیلئے تنظیم اور جماعت نہیں بنائی۔ یہ لوگ ان سب پر اعتراض کرتے ہیں، کیا ایسا تو نہیں کہ وہ کام جو صالحین امت سے کبھی نہ ہو سکا اس میں دین کی کوئی حکمت مضمر ہو، تاکہ ان کا کام اصلاح کی بجائے فساد کا باعث نہ ہو، اور آج ثابت ہوا کہ اس طرح کے کام اتحاد کی بجائے ملت میں تحزب اور اصلاح کی بجائے فساد کا باعث ہوئے اور مسائل سلجھنے کی بجائے اور الجھ گئے۔ ان فتنوں کے علاوہ قادیانیت کا فتنہ بھی پورے زور پر ہے اس کے وسیع ذرائع اور لامحدود وسائل ہیں اور اس کی جڑیں بہت گہری ہو رہی ہیں۔ اس کی سرکوبی اور ازالہ اور مقابلہ کیلئے بھی آپ لوگوں کو علمی و فکری لحاظ سے مستعد ہونا ہے۔

اسی طرح دیگر زبانوں میں بھی اپنی محنت اور محنت سے حاصل کیجئے جس میں اسلام

کی تبلیغ کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ تقابلی مطالعہ کیجئے، ستّھے نظاموں کا، نئے مسائل کا اور پھر اسلام سے ان کا حل تلاش کیجئے۔ آپ حضرات کو بڑی محنت اور مشقت اٹھانی ہوگی اور وقت، ماحول، نفسیاتِ انسانی، کو مدِ نظر رکھ کر سوچنا ہوگا۔ نیا اسلوب پیش کرنا ہوگا۔ قدیم حلقوں کے علاوہ جدید حلقوں میں بھی دینِ حق کا چرچا کرنا ہوگا ——— اس کے علاوہ علماء حق کا فریضہ ہمیشہ سے حکومتِ

علماء حق کا فریضہ احتساب

وقت کا محاسبہ اور محتسب رہنے کا ہے۔ علماء حق کبھی اقتدار اور دنیاوی وجاہت کے طالب نہیں رہے۔ سب سے پہلے یہ ثابت کیا کہ ہمیں کچھ نہیں چاہئے۔ لیکن اگر دین میں تحریف اور دجل وتلبیس سے کام لیا گیا تو ہم جانوں پر کھیل کر اس کی حفاظت کریں گے۔ یہ دور بلاشبہ سیاست کا ہے۔ اور اسلام دین اور سیاست کو الگ نہیں سمجھتا۔ مگر جو سیاست اس زمانہ میں چل رہی ہے، اس کا یقیناً دین سے کوئی تعلق نہیں ———

——— اور جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے۔ چنگیزی کی صورت سامنے ہے، اس سیاست نے ایسے جذبات پیدا کئے کہ سینے اقتدار کی بھٹیاں بن کر رہ گئے۔ انا خیر منہ ابلیس کا دعویٰ تھا مگر اس الیکشنی سیاست کی بنیاد ہی اس دعویٰ پر ہے۔ اور اس دعویٰ ابلیس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے جہانگیر کے سپہ سالار مہابت خان کو جب اس کو بغاوت کی سوجھی، جیل سے لکھا کہ مہابت خان ہم کو تخت واقتدار نہیں بلکہ اصلاح درکار ہے، اس مشورہ نے جہانگیر کو بھی گرویدہ کر دیا اور نگے پیر حضرت مجددؒ کے ہاں حاضری دینے لگا۔ اس جذبۂ اصلاح وخیر خواہی نے جہانگیر کو بدل دیا اور جب ان کے پندو نصائح سے متاثر ہوا تو شراب نوشی تک چھوڑ دی۔ علماء کبھی اقتدار کے طالب نہیں رہے۔ مگر حق بات کہنے میں بھی کبھی کوتاہی نہ کی بلکہ ———

اور حق بات تہ تیغ کریں گے　　یہ جرم اگر ہے تو سر دار کریں گے

اصلاح کے جذبہ کی ضرورت ہے۔ اور جب آپ عملی زندگی میں قدم رکھیں تو قرآن وسنت کے ان سرچشموں کو گدلانہ کیجئے، ہر حال میں کلمۂ حق کہئے مگر ایک مخلص اور خیر خواہ کی حیثیت سے۔

آخر میں اتنا عرض کردوں کہ تبلیغ آپ کا فریضہ، آپ کا مشن ہے۔ آپ ان عیسائی مشنریوں کو دیکھیے جن کا جال دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ انہوں نے بے سروسامانی سے مشن کا آغاز کیا۔ ان کا پہلا مشنری جو ۱۷۹۳ء میں کلکتہ آیا، ایک موچی کا لڑکا تھا۔ اس نے تجویز پیش کی کہ چار دانگ عالم میں عیسائیت کا پرچار کیا جائے۔ وہ ہر گلی کوچہ گیا ہر گرجہ میں چندے کے لئے ہاتھ پھیلاتے کہ ہندوستان روانہ ہو سکے

اس تمام محنت کے بعد اسے کل ساڑھے تیرہ شلنگ چندہ ملا۔ حالانکہ اس وقت اس سفر کے لئے اسے کم از کم ۵۰ پونڈ کی ضرورت تھی۔ اس نے جہاز والوں کو منت سماجت کر کے راضی کیا اور کہا کہ میں تمہاری ہر قسم کی خدمت کروں گا، بوٹ صاف کروں گا مگر مجھے ہندوستان لے چلو —— چنانچہ اس نے یہاں آ کر عیسائی مشنری کا پودا لگایا جو آج ایک مضبوط درخت بن چکا ہے۔ اور اس کے کانٹے برابر ملت مسلمہ کے دامن کو تار تار کر رہے ہیں —— اپنے حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ کی مثال سامنے رکھئے جن حالات میں انہوں نے دارالعلوم کا آغاز کیا ہوگا میرا اندازہ ہے کہ اس وقت کچھ بھی ان کے پاس نہ ہوگا نہایت بے سروسامانی میں ارادہ کیا ہوگا۔ مگر نیک نیتی، اخلاص اور جدوجہد زادِ راہ تھا تو آج اس عظیم ادارہ کی شکل میں دارالعلوم موجود ہے۔ لاکھوں روپے لگ گئے اور انشاء اللہ آئندہ کروڑوں خرچ ہوں گے۔ اگر آپ درس دین کی اشاعت اور تبلیغ کے لئے نیک نیتی سے کام شروع کریں گے تو خدا کی مدد یقیناً ساتھ ہوگی۔ وہ کبھی بھی اپنے بندوں کو زادِ راہ سے مایوس نہیں کریں گے۔ مولانا محمد علی جوہرؒ نے کیا خوب کہا کہ مشکلات اور بے سروسامانی سے نہ گھبراؤ۔ تم نے نہیں دیکھا کہ راستہ پر چلنے والے کو حد نظر سے آگے سڑک ختم ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ اور محسوس ہوتا ہے کہ ایک خاص حد سے آگے سڑک بند ہے، مگر جب آدمی چلتا ہے تو محدود راستہ کھلتا نظر آتا ہے ——

—— بڑھتے چلو خدا کا نام لیکر آگے بڑھتے چلو —— ۔

اظہار تعزیت

سرگودھا کے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم و مغفور کے سانحہ وفات کو دارالعلوم میں شدت سے محسوس کیا گیا۔ حضرت مرحوم کے رفع درجات کیلئے دارالعلوم میں دعائیں کی گئیں۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب نے حضرت مرحوم کے صاحبزادگان اور متعلقین نیز جمعیۃ العلماء اسلام سے اظہار تعزیت کیا۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ بازار میں تشریف لے جا رہے تھے کہ راستے میں ایک جگہ کیچڑ تھا، بڑی احتیاط کے باوجود ناخن بھر کیچڑ آپ کے جامے پر گر پڑا۔ آپ سیدھے دریائے دجلہ پر تشریف لے گئے اور وہاں جا کر اپنا جامہ دھو ڈالا۔ دیکھنے والوں نے سوال کیا یا حضرت یہ کیا بات ہے آپ نے خود فتویٰ دے رکھا ہے کہ کپڑے پر کسی حد تک نجاست پڑ جانے سے کپڑا ناپاک نہیں ہوتا لیکن آپ کے جامے پر ایک ناخن برابر کیچڑ گرا، اور آپ نے اپنا جامہ دھو ڈالا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ بھائی وہ میرا فتویٰ ہے اور یہ میرا تقویٰ۔

الحق کا ذکر خیر

۱۔ ہفت روزہ الاعتصام لاہور

۲۔ چند تازہ خطوط کے اقتباسات

زیر تبصرہ پرچہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ، دیوبندی مکتب فکر کا حامل ہے۔ زیر سرپرستی شیخ الحدیث مولانا عبد الحق صاحب بانی و مہتمم دار العلوم حقانیہ شائع ہو رہا ہے۔

ہمارے سامنے اس وقت مئی ۱۹۶۷ء کا شمارہ ہے۔ یہ ظاہری و باطنی خوبیوں کا مرقع ہے۔ پرچے میں مندرجہ ذیل عنوانات پر مختلف اہل علم کے رشحات فکر بکھرے ہوئے ہیں۔ نقش آغاز، مقالات، تاثرات، ہمارے اسلاف، یاد رفتگاں، تاریخ و سیر، ادبیات، تنقید و محاسبہ وغیرہ۔ نقش آغاز میں مولانا سمیع الحق صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ مسلمان من حیث القوم "حیا" سے دستبردار ہو چکی ہے۔ جس کا نمونہ صدر یوسف شاہ کے استقبال کے وقت مسلمان لڑکیوں کا سڑکوں پر بے پردہ رقص و سرود اور ناچ گانوں کی شکل میں سامنے آیا۔ دوسرے شذرے میں مغربی پاکستان کے بچوں کی بہبود کونسل کی چیرمین بیگم وقار النساء کے بیان پر تنقید کی ہے کہ کونسل عنقریب "بن باپ" بچوں کو پالنے کے لئے ایک پرورش گاہ قائم کرے گی اس کا آخری فقرہ ملاحظہ فرمائیے: "سبحان اللہ تاریخ پاکستان کا بدترین المیہ اور شرمناک باب، حلال پیداوار کو تو ضبط سے پہلے روک دو اور حرام پیداوار کی کفالت و تربیت کے لئے پرورش گاہیں اور مراکز قائم کرو۔ بانی دار العلوم مولانا عبد الحق صاحب کا مقام شہادت کے عنوان سے ایک تحقیقی مقالہ ہے جس میں آپ نے شہادت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے اور بتایا ہے کہ صحابہ کرام میں شہادت کا شوق کس قدر تھا۔ اسلامی معاشیات کے نام سے مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی کا ایک مضمون اسلام کے اقتصادی نظام سے شامل اشاعت کیا گیا ہے۔ جس میں تجارت، سٹہ، احتکار سٹہ پر دینی نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے۔

"ادارۂ الحق" کے رفیق اعزازی مولانا حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی کا ایک مضمون "اسلام کا تصور نبوت" بھی شامل ہے۔ علاوہ ازیں مسائل علمیہ اور تلخیص متراجم کے لئے بھی بعض صفحات وقف کئے ہوئے ہیں۔ شیخ مصطفےٰ سباعی کے مضمون کا ترجمہ بعنوان "دیار محبوب کا ایک سفر" ادارۂ الحق کی طرف سے دیا گیا ہے ـــــ افکار و تاثرات کے نام سے قارئین کے خیالات کو پیش کیا گیا ہے۔ پہلا خط مولانا عبد الرزاق صاحب سنگین کا ہے جس میں حکومت پاکستان کو اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ کہ ریڈیو سے پرویز کے مدرس قرآن کا فیصلہ نا مسعود ہے۔ اسلامی دنیا کا تعارف بھی اس پرچے میں نہایت قیمتی معلوم ہوتا ہے۔ غرضیکہ پرچے میں تنوع اور محنت نمایاں نظر آتی ہے ـــــــ

غیر ملکی احباب

بھارت

۱ـــــ ایک علمی اور دینی مجلہ کا اجراء آج جس طرح مشکل ہے، اتنا ہی اہم ہے۔ اللہ تعالیٰ جلد سے جلد اس کو بامِ عروج پر پہنچائے۔ اور ہر قسم کی تکلیف و آزمائش سے محفوظ رکھتے ہوئے ہمہ وجوہ آسانیاں پیدا فرمائیں۔ خلوصِ دل سے مبارکباد قبول ہو۔ (مولانا سید احمد سبحان مہتمم مدرسہ مدینیہ کپور۔ بنگلور انڈیا)

۲ـــــ جناب کو خداوند تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے باعزت و آبرو رکھے۔ کیونکہ اسلامی بھائیوں کی دلجمعی کے واسطے کر ہمت باندھا ہے۔ خدا کامیاب فرمادے۔ نیز عرض ہے۔ ہم نے جناب کے ماہنامہ الحق کی بہت ہی تعریف سنی۔ ایک رسالہ ہمارے نام جاری فرمادیں۔ اس واسطے دل بہت ہی بے تاب ہوگیا ہے۔ (عبد الجبیر۔ ویریناگ۔ مقبوضہ کشمیر)

۳ـــــ بندۂ ناچیز کی نظر سے آپ کا بلند پایہ ماہنامہ الحق گذرا۔ اپنی ظاہری اور باطنی خوبیوں کے ساتھ مزین ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ پسند آیا۔ فوراً دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ میں اس کا خریدار بن جاؤں۔ (منظور احمد قاسمی فیض آبادی۔ دارالعلوم دیوبند)

۴ـــــ آپ کے رسالہ کا خریدار بننا چاہتا ہوں۔ اس لئے بطور ملاحظہ ایک رسالہ پیشگی بھیج دیں۔ پسند آنے پر امید قوی ہے۔ کہ مستقل خریدار بن جاؤں گا۔ اس اطراف میں آپکے رسالہ کا کوئی خریدار نہیں جس کے ہاں مطالعہ کروں۔ (مولانا عبد اللطیف مدرسہ اصلاح المسلمین بگجرا۔ پوسٹ گولالہ مغربی بنگال)

۵ـــــ آج ماہنامہ الرحیم حیدرآباد کا شمارہ ماہ مارچ صفحہ ۷۰ پر اور تبصرہ ۴۲ پر دیکھا۔ دل نے یکایک میلان پکڑا کہ ایسے رسالہ کو ہمارے گجرات وکاٹھیاواڑ و دیگر ممالک میں جہاں خادم کا ماہنامہ بنام تنظیم گجراتی جاتا ہے۔ وہاں اسکی خبر پہنچائی جائے۔ لہٰذا ہوسکے تو برائے تبصرہ وتبادلہ الحق جلد ۱ کے شمارہ اول سے آج تک کے شمارے ارسال فرمائیے! یہی دیکھے رسالہ الحق کے لئے دعا کرتا ہوں۔ کہ حق تعالیٰ اسے ہر ملک میں پھیلائے اور مقبول بنائے ـــــــــــ

آمین یا رب العالمین۔ (جناب منشی آئی ایم رفیق مدیر ماہنامہ تنظیم کاوی۔ گجرات انڈیا)

۶ـــــ ماہنامہ الحق ہمارے مدرسہ کے طلباء کے لئے جاری کرنے کی ہدایت فرمائیں۔ اساتذہ و طلبہ ممنون ہوں گے۔ (مولانا جلیل احسن۔ جامعۃ الفلاح۔ بلریا گنج۔ اعظم گڑھ)

۸ــــ الحمدللہ آپ کے ماہنامہ الحق کی تعریف بہت سنی ہے۔ معیاری الحق ہوگی۔ انشاءاللہ تعالیٰ میرے نام جلد از جلد پرچہ جاری کرا دیں۔ (مولانا محمد یونس خطیب جامع مسجد تاؤنڈ۔ گڑگانوہ۔ بھارت)

۹ــــ الرحیم کے تازہ شمارہ میں مجلہ الحق پر تبصرہ نظروں سے گذرا۔ الوارالاسلام کا تازہ شمارہ ارسال خدمت ہے۔ از راہ کرم آپ بھی اپنا پرچہ مستقل طور پر جاری فرما دیجئے۔ الوارالاسلام برابر حاضرِ خدمت ہوتا رہے گا۔ امید ہے اس پیشکش کو شرف قبولیت بخشیں گے۔ اور اگر ممکن ہو تو پہلے شمارے سے اب تک کے کل پرچے ارسال فرمائیں ــــــــــــــــ

ــــــــــ والسلام۔ (مولانا قمرالدین ماہنامہ الوارالاسلام علم نگر۔ بنارس)

۱۰ــــ میرے نام الحق ارسال فرمائیے۔ دوست احباب کو بھی انشاءاللہ رغبت دلاؤں گاـــــ ! (محمد طاہر شفاخانہ محلہ مغل سہارنپور۔ انڈیا۔)

انگلینڈ

رسالہ میں کچھ نعت رسول کچھ توحید حمد وغیرہ کی نظمیں اردو، عربی، فارسی میں بھی اگر آپ لکھوایا کریں۔ تو رسالہ اور زیادہ مقبول ہوگا۔ میں برمنگھم اور شفیلڈ وغیرہ میں بھی رسالہ کے گاہک بڑھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ (مولانا فخرالدین۔ انگلینڈ)

سعودی عرب

الحق کے پرچے مسلسل پہنچ رہے ہیں۔ بحمدللہ الحق توقع سے بڑھ کر کامیاب اور مفید ثابت ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی مقبولیت کو برقرار رکھے اور یہ آوازۂ حق اسی طرح اشاعتِ دین میں مصروف رہے۔ (عبداللہ کاکاخیل جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ)

برما

صدقِ جدید میں الحق کا اشتہار دیکھا، فہرست مضامین سے رسالہ کی جامعیت کا اندازہ ہوا گذشتہ دو سال سے غیر ممالک سے کتابیں نہیں منگوائی جاسکتیں۔ براہ کرم جو بھی صورت ہو میرے نام الحق جاری کر دیجئے۔ (مولانا سعید احمد۔ رنگون۔ برما)

تنقید و تعارف

شاہ جیؒ کے علمی و تقریری جواہر پارے

مرتب : اعجاز احمد خان سنگھانوی صفحات ۱۵۲
قیمت ڈھائی روپے

ناشر : ادارۂ اشاعت اسلام کے ایریا کورنگی کالونی کراچی ۳۱ ———— کتاب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم کے علمی اور تقریری جواہر پاروں کا مجموعہ ہے۔ ابتدا میں ایک مقدمہ اور ایک سوانحی خاکہ ہے جس سے شاہ جی کے احوال و مقامات پر روشنی پڑتی ہے جس میں شاہ جی کا سیاسی شجرۂ نسب بھی شامل ہے۔ علمی جواہر پاروں کے نام سے وہ لطائفِ علمیہ اور فرمودات جمع کئے گئے ہیں جن میں شاہ جی نے علمی نکتہ آفرینی کی ہے۔ واقعی بقول حضرت تھانویؒ عطاء اللہ کی باتیں عطاءِ الٰہی ہوتی ہیں۔ اسکے بعد خطابتی اور تقریری فرمودات چھوٹے چھوٹے جملے اور بول چال کے اندر حقیقت کے ساتھ ساتھ ظرافت کا دریا بند کئے ہوئے ہیں۔ آخر میں شاہ جی کے فارسی اردو کلام کا انتخاب بھی شامل ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فنِ شعر و شاعری میں بھی انہیں کتنا کمال حاصل تھا۔ چند شعر ملاحظہ ہوں ——

سرِ قضا و قدر ہمیں است اے ندیم — پیکان از رقِ زکمانِ محمد است

مرغِ حرم ز آشیاں بہ پرید — نالہائے فرید چو بشنید

ہر کہ بگفت خواجۂ مارا — ہست او بے گماں یزید پلید

از تیغِ نگاہ زخمِ کاری دارم — خونِ جگرم ز مرغ و ماہی خوشتر

یک منظرِ یزید سایۂ قدِ یار — واللہ ز ہزار چترِ شاہی خوشتر

اردو کلام ملاحظہ ہو :-

وہ آنکھوں میں موجود اور چشمِ حیراں — ادھر ڈھونڈتی ہے ادھر ڈھونڈتی ہے۔

اور یہ شعر تو دار و رسن کا ہی عاشق کہہ سکتا تھا ۔

دار کے حقدار کو اور قید سے سالہا سالے — اُسکے مشکل آساں ہوتے ہوتے رہ گئی

اور اس شعر میں تو شاہ جیؒ نے پورے قافلۂ حریت کی داستان کھول کر رکھدی جنہوں نے زندگیاں اس راہ میں تج دیں مگر انجام ....

چمن کو اس لئے مالی نے خوں سے سینچا تھا — کہ اس کی اپنی نگاہیں بہار کو ترسیں ؟

بعض اشعار کے ساتھ سوالیہ نشان (؟) بے محل معلوم ہوتا ہے۔ جو کتابت کی غلطی ہوگی۔ مؤلف کتاب سنگھانوی صاحب کی یہ محنت لائقِ تحسین ہے۔ اس کتاب کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ ہر چیز کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔